اُردو عربی کے لسانی رشتے

مؤلف

ڈاکٹر احسان الحق

اُردو عربی کے لِسّانی رِشتے

مؤلّف

ڈاکٹر احسان الحق

قرطاس

قرطاس
سلسلہ مطبوعات۔۵۶
قیمت۔/ ۱۰۰ روپے
باراول ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ/دسمبر ۲۰۰۵ء

زیراہتمام
قرطاس
پوسٹ بکس نمبر 8453، کراچی یونیورسٹی،
کراچی۔75270
فون: 5674537
موبائل: 0300-9245853

ISBN :
969-8448-67-5

ڈاکٹر محمود اسماعیل الصّینی کے نام

پروفیسر لسانیات جامعہ ملک سعود، ریاض، سعودی عرب

جنہوں نے ربع صدی قبل مجھے اس موضوع پر کام کرنے کا شعور بخشا

فہرست مضامین

باب دوم

عربی زبان ایک تعارف

باب سوم

اُردو عربی کے تاریخی و تہذیبی روابط

باب چہارم

اُردو عربی حروف و حرکات کا اشتراک

باب پنجم

اُردو عربی صوتیات

باب ششم

قواعد

باب ہفتم

مفردات یا ذخیرہ الفاظ

کچھ اس کتاب کے بارے میں

ادب سائنس سے گریزاں ہے کیونکہ سائنس اور ادب کی منافات خشک و تر کی منافات ہے اور زبان کی سائنس تو لق و دق صحرا ہے جس میں کوئی شجر سایہ دار کوئی نخلستان نہیں لیکن کمال تو یہی ہے کہ بنے بنائے نخلستانوں اور گلستانوں میں ستانے کے بجائے صحرا میں نخلستان اور گلستان اُگائے جائیں۔

میں نے زبان کی سائنس کو تحقیق کے ساتھ ساتھ ادب کا جمال بھی عطا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ تحقیق کی خشکی، تعبیر کے حسن، بندشوں کی چستی اور الفاظ کی رعنائی سے کم کی جاسکے۔ مقدار کے بجائے کیفیت کا خیال رکھا ہے اس لیے کہ بسیار نویسی، بسیار خوری اور بسیار گوئی کی طرح یکساں مضر ہے۔ میرا مسلک یہ ہے کہ جو کچھ کہا جائے کم سے کم الفاظ میں خوب سے خوب کہا جائے اور حشو و زوائد سے بچا جائے۔

تحقیق کے اس سفر میں ڈاکٹر جمیل احمد صاحب کے ساتھ ساتھ جو دیگر اہل علم میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں ان میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب جنہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب جنہوں نے اُردو ڈکشنری بورڈ کی لائبریری میرے لیے خصوصی طور پر وا کردی۔ پروفیسر جمیل اختر خان صاحب، جنہوں نے اُردو کے مولد و مآخذ سے متعلق مسودہ کو دیکھنے کی زحمت فرمائی اور مفید مشورے دیئے۔

شعبۂ انگریزی کے فاضل اُستاد کلیم رضا خان صاحب، جنھوں نے اُردو صوتیات سے متعلق اپنی ذاتی تحقیق سے آگاہ کیا۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، جنھوں نے مسودہ کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرُ الْجَزَاء

ہوسکتا ہے یہ تحقیق اہل علم کے لیے نئے افق روشن کرے اور اس کا ہر ذیلی عنوان ایک نیا میدان تحقیق فراہم کرے۔ یہ حرف آخر نہیں ہے لہٰذا محققین آگے بڑھیں اس لیے کہ علم کے قافلے کا کہیں پڑاؤ نہیں ہے۔ ہر تنقید کا خیر مقدم کیا جائے گا اور ہر رہنمائی کو کھلے دل سے قبول کیا جائے گا۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے

ڈاکٹر احسان الحق

شعبۂ عربی

جامعہ کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُقَدِّمَۃ

لسانیات ایک جائزہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اَمَّا بَعْدُ!

انسانی شخصیت میں زبان ایک اہم مظہر کی حیثیت رکھتی ہے۔لہٰذا جس طرح انسان ابتداء ہی سے اپنے گرد پھیلی ہوئی کائنات پر غور وفکر کر رہا ہے، اسی طرح اس کے اندر پھیلی ہوئی کائنات بھی اس کی توجہ کا مرکز ہے۔جس کے عجائبات گوناگوں اور جس کے اسرار لامتناہی ہیں۔زبان بھی انہی اسرار میں سے ایک ہے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" ﴿۱﴾

''اور تمہارے نفس میں نشانیاں ہیں، تم غور وفکر نہیں کرتے''؟

اور یہ اِرشاد فرمایا کہ:

"سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ" ﴿۲﴾

''ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق وانفس میں دکھائیں گے۔تاکہ حق ان کے لیے واضح ہو جائے۔زبان بھی انہی نشانیوں میں سے ایک ہے''۔

"وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ" ﴿۳﴾
''اور اس کی نشانیوں میں آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے''۔

"فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ" ﴿۴﴾
''پس قسم ہے آسمان وزمین کے رب کی کہ وہ بیشک حق ہے (اسی طرح) جس طرح تم بولتے ہوں۔ انسان کے علاوہ حیوانات میں باہمی رابطہ، زبان کے درجے تک پہنچا ہوا نہیں بلکہ وہ انسان کے مقابلے میں انتہائی ناقص ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس رابطہ کو ''بیان'' سے تعبیر فرمایا:

"خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ". ﴿۵﴾
''انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا''۔

زبان انسانی شخصیت ہی کا مظہر نہیں بلکہ وہ ہر کلچر اور ثقافت کا بنیادی عنصر اور اُس کا اظہار بھی ہے۔ زبان کا انسان کے اندازِ فکر اور معاشرتی ونفسی رویوں سے گہرا رشتہ اور علاقہ ہے۔ کیا زبان کے بغیر تفکر ممکن ہے؟

علمائے لغت اور فلاسفہ صدیوں سے ان اسرار سے پردہ اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہیں جو انسانی زبانیں اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ یہ بنیادی سوالات ہمیشہ ہی سے موضوع بحث رہے ہیں کہ روئے زمین پر انسان کب سے آباد ہے اور کیا انسانی زبان کی ایک ہی اصل ہے؟ یا وہ کئی اصلیں رکھتی ہے۔ اس کی ابتداء کیسے ہوئی اور کیسے پھیلی؟ اور پھر اس میں تغیرات کس طرح سے آئے؟ نیز یہ کہ دنیا میں زبانوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور صدیوں کے پھیلاؤ پر ایک زبان میں صوتی، صرفی ونحوی اور دلالت الفاظ کے اعتبار سے کیا کیا تغیرات آتے ہیں؟ لہجے کیسے وجود میں آئے ہیں؟ معاشرہ کا زبان پر اور زبان کا معاشرہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ معاشرے کے مختلف طبقات کی زبانوں میں فرق کی کیا نوعیت ہے؟ انسانی زبان اور فکر کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ بچے کے ہاں زبان کا اکتساب کس طرح سے ہوتا ہے؟ اور کیا تعدّدِ لغات سے نجات حاصل کرکے ایک عالمی

زبان وجود میں لائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

یہ اور اس قسم کے سینکڑوں سوالات انسانی غور و فکر کے لیے مہمیز کا کام دیتے رہے ہیں ﴿۶﴾۔ انسان نے ان مسائل پر کب سے غور و فکر شروع کیا۔ ظاہری بات ہے کہ کتابت کی ایجاد سے پہلے اس میدان میں غور و فکر کا پتہ لگانا دشوار ہے البتہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب سنسکرت کے قواعد پر پانینی ﴿۷﴾ نے چوتھی صدی قبل مسیح میں واضح مذہبی مقاصد کے پیش نظر لکھی۔ اس کتاب میں اس نے سنسکرت کے صوتی صرفی ونحوی نظام کو نہایت خوبی سے واضح کیا۔ اس کتاب کا انکشاف علمائے یورپ پر انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ہوا۔ اس انکشاف سے سنسکرت کا تعلق یورپی زبانوں سے واضح ہوا اور تقابلی لسانیات کے لیے زبردست تحریک پیدا ہوئی۔ جس نے انیسویں اور بیسویں صدی میں مقبولیت پائی۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ باوجودیکہ اہل یونان اور رومی لسانیات سے آگاہ تھے لیکن ان کے ہاں پانینی کی کتاب کے پائے کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔ غالباً اس کا سبب قدیم یونان کا فلسفہ سے شغف تھا۔ ان کے ہاں سائنس اور مطالعہ آفاق بھی فلسفہ کے دائرے ہی میں شامل سمجھا جاتا تھا، لہٰذا انہوں نے لغت کی طرف بھی فلسفیانہ نقطۂ نظر کے ساتھ توجہ کی۔ چنانچہ لغت کے سلسلے میں اہم مسئلہ جو علمائے یونان نے اٹھایا اور جس کے اثرات سے معاصر لغوی تحقیقاتی بھی نہ بچ سکیں، وہ یہ تھا کہ زبان فطری چیز ہے یا سماجی علامت ہے۔ افلاطون کا خیال یہ تھا کہ زبان فطری مظہر ہے اور کلمات اور ان کی آوازیں ایسے اجزا ہیں جو اپنے معانی سے الگ نہیں ہو سکتے۔ جب کہ ارسطو کے مکتب فکر کی رائے یہ تھی کہ زبان سماج کا مظہر ہے اور کلمات اور ان کی آوازیں رمزی اصطلاحات ہیں جن کا کوئی طبعی یا راست تعلق معانی کے ساتھ نہیں ہے۔ چنانچہ پہلا مکتبہ فکر ''توقیفیہ'' مشہور ہوا، جب کہ دوسرا ''اصطلاحیہ یا تواضعیہ'' کہلایا۔ نظریہ توقیفیہ کے مطابق زبان وحی اور عطیہ الٰہی ہے۔ ﴿۸﴾

جہاں تک قدیم یونانی زبان کے قواعد کا تعلق ہے تو اہل یونان حیرت انگیز طور پر پیچھے رہ گئے۔ ۲ء قبل مسیح میں انہوں نے اس طرف توجہ کی اور اس کے بعد ان کی دیکھا دیکھی رومی بھی اس میدان میں آئے اور ہر دو نے اپنی اپنی زبانوں کے قواعد وضع کیے جو کہ فصیح زبان کی ترجمانی

کرتے تھے نہ کہ اُس زبان کی جو اس دور میں عام لوگوں میں مستعمل تھی اسی وجہ سے یہ قواعد "معیاری قواعد" کہلائے، جو صدیوں تک غیر متغیر رہے اور اس زبان کے عکاس رہے جو مٹ چکی تھی۔ ان قواعد کی دوسری خامی یہ تھی کہ یہ صرف رومیوں اور یونانیوں کی اپنی معیاری زبان کی حد تک محدود تھے۔ دوسری زبانوں کی طرف انہوں نے توجہ نہیں کی تھی، چنانچہ یورپ میں جدید زبانوں پر یہ قواعد جوں کے توں منطبق کر دیئے گئے۔ حالانکہ ان زبانوں اور ان قدیم قواعد میں کوئی ہم آہنگی نہ تھی۔ یہی سبب ہے کہ آج کے علمائے لسانیات کے خیال میں مدتوں لاطینی قواعد انگریزی زبان کے قواعد کے طور پر پڑھائے اور مرتب کئے گئے اس سلسلہ میں قدمائے یونان وروما پر زیادہ شدت سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بہت سے معاشروں میں آج بھی تحریری زبان کو بول چال کی زبان پر فوقیت دی جاتی ہے۔ ہمارا معاشرہ بھی مجموعی طور پر آج بھی اسی مرحلہ سے گزر رہا ہے۔ بہر حال آج بول چال کی زبان کی اہمیت تسلیم کی جارہی ہے جب کہ کوئی نصف صدی پہلے یہ ایک بڑا انقلابی اور نا قابل فہم تصور تھا، اور اسی وجہ سے لغات وقواعد نویسی میں اسناد تحریر سے حاصل کی جاتیں اور بول چال کی زبان کو لسانی تجزیہ میں شامل نہ کیا جاتا۔

عربوں نے عربی زبان کی طرف قرآن کی زبان ہونے کی بناء پر توجہ کی۔ چنانچہ لسانیات اور بالخصوص صوتیات کے مطالعہ نے ان کے ہاں خوب فروغ پایا اور وہ بھی اس معرکہ میں شریک ہوئے جو زبان کی نشوونما اور اس کی اصل کے بارے میں یونانیوں کے ہاں برپا تھا۔ عرب علماء دونوں مکاتیب فکر (ارسطو اور افلاطون) سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں ابن فارس ﴿۹﴾ نے زبان کے بارے میں نظریہ توقیفی کا دفاع کیا اور اس آیت سے استشہاد کیا کہ "وعلّم آدم الاسماء کلھا" اور آدم کو اس نے تمام نام سکھائے۔ (یعنی لغت عطیہ الٰہی ہے)

لیکن اس نظریہ کی مخالفت کا علم مشہور عالم لغت ابن جنّی ﴿۱۰﴾ نے اٹھایا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ زبان نہ تو وحی ہے اور نہ ہی خدا کے ٹھہرائی ہوئی کوئی چیز۔ بلکہ یہ اصطلاحاً اختیار کردہ اور وضع کردہ ہے۔ (مراد ہے نظریہ تواضعیّہ یا اصطلاحیہ) اور آیت مذکورہ میں علم سے مراد قدرت کلام وتسمیہ (نام رکھنے کی صلاحیت) ہے۔ زبان کی تشکیل وارتقاء اور اس کی تفصیلات کو انسان کی اسی مقدرت

لغوی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تا ہم اس نظریہ کے باوجود ابن جنّی (Sound Symbolism) صوتی علامتوں کے نظریہ کا قائل ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ زبان میں صوت ایک اظہاراتی (تعبیری) قیمت رکھتی ہے اور ہر آواز اپنی ذات میں مخصوص معنویت لیے ہوئے ہے۔ اس نظریہ سے ابن جنّی نے اپنی کتاب ''الخصائص'' میں ایک کامل باب میں بحث کی ہے جن کا عنوان ہے ''باب فی تصاقب الالفاظ تصاقب للمعانی'' باب الفاظ کے طمطراق میں معانی کا طمطراق''۔ ﴿۱۱﴾

یہ لغت کے بارے میں عام بحثوں کا پہلو تھا۔ جہاں تک عربی زبان کے قواعد کا تعلق ہے تو سیبویہ ﴿۱۲﴾ نے دوسری صدی ہجری (۸ ویں صدی عیسوی) میں عربی زبان کی زبردست خدمات انجام دیں۔ اس کی مشہور کتاب ''الکتاب'' بعد میں آنے والے لغویین کا مرجع رہی۔

سیبویہ نے عربی زبان کا مطالعہ (Descriptive) توضیحی انداز میں کیا اور اس کا طریقہ کار پانینی کے طریقہ کار سے بڑی حد تک مشابہ ہے اس کے باوجود وہ ارسطو کی منطق اور یونان کی لسانیاتی تحقیقات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ وہ قواعد کی تشریح و توضیح میں قیاس و تعلیل سے کام لیتا ہے اور انہیں منہاجیاتی (Methodologycal) غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے جس کے یونانی و رومی علمائے لسانیات مرتکب ہوئے ﴿۱۳﴾۔ اس نے پہلی تین صدیوں کی زبان کا مطالعہ کیا اور اس پر قواعد کی اساس رکھی۔ اسی طرح اس نے مختلف عربی لہجوں کو بھی بیان کیا اور ان کے لیے مشترکہ قواعد وضع کرنے کی کوشش کی۔ سیبویہ کا اسلوب اس کی کتاب میں عام طور پر توضیحی (Descriptive) تھا۔ مگر بعد کے لغویین نے اپنے عصر کی زبان کو نظر انداز کیا اور اس سے استشہاد کی بجائے سیبویہ کے استشہاد کی تقلید کی اور اس کے قواعد کو معیاری قواعد قرار دیا اور کوشش کی کہ مختلف زبانوں میں جو کچھ بھی لکھا اور کہا جائے وہ انہیں قواعد کے مطابق ہو۔ یہی صورت حال قرون وسطی میں یورپ میں رہی۔ لسانی تحقیق جمود کا شکار ہوگئی اور لاطینی زبان ہی غالب زبان کی حیثیت اختیار کر گئی۔ کیونکہ وہ دین و ثقافت کی زبان تھی۔ روزمرہ کی زندگی میں اس کا کوئی دخل نہ تھا۔

جیسے ہی یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور علم و فکر کی دنیا میں انقلاب کروٹیں لینے لگا۔ لسانیات کے میدان میں بھی تحقیق جدید کی راہیں کھلیں۔ اٹھارویں صدی میں جن مفکرین نے اس میدان میں اہم خدمات انجام دیں، ان میں روسو ﴿۱۴﴾ (فرانس سے) اور ہرڈر ﴿۱۵﴾ (جرمنی سے) مشہور ہوئے۔ ان مفکرین نے زبان کی ابتداء کے بارے میں نظریہ اصطلاحیہ کی تائید کی اور اس کا بھرپور دفاع کیا۔ پھر تاریخی اور تقابلی لسانیات کا آغاز ہوا اور انیسویں صدی میں ان تحقیقات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ زبانوں کے صوتی تغیرات کی تحقیق اور عام قوانین کا استنباط کیا جانے لگا۔ بیسویں صدی کے نصف اوّل میں لسانیات کی دنیا کا عظیم مفکر فرڈیناڈ ڈی سوسیر (جو سوئزرلینڈ کا باشندہ اور لسانیات کی تحقیق جدید کا بانی ہے)۔ نے اپنی مشہور کتاب مدخل لسانیات عام (Source of Linguistique Generole) لکھی۔ جس میں اس نے زبانوں کی توضیحی تحقیق پر زور دیا۔ اس کے نزدیک تقلیدی قواعد ان زبانوں کے لیے وضع کیے گئے تھے جو عملاً موجود نہ تھیں اور اس کی بنیاد وہ زبان تھی جو ادبی اور دینی کتب میں موجود تھی اور جو صحیح و غلط کا معیار سمجھی جاتی رہی۔ پھر ان قواعد میں زبان کے صوتی پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اور زبان کا کوئی مکمل تصوّر پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ ڈی سوسیر نے تمام زبانوں کی ایک گرامر کا نظریہ (Universal Grammar) پیش کیا جس پر ہم عصر محققین نے تائید اور رد میں دلائل دیئے۔ مختصر یہ کہ موجود صدی کا نصف اوّل لسانیات میں جس اسکول سے ممتاز ہوا وہ توضیحی تشکیلی لسانیات کا اسکول (Descriptive Structural Approach) ہے۔ جس کا آغاز امریکہ سے ہوا اور پھر پوری دنیا میں توجہ کا مرکز بنا۔ اس اسکول کی شہرت کی بنیاد باؤ مفیلڈ ﴿۱۶﴾ کی مشہور کتاب ''زبان'' (Language) ہے۔ جب کہ اس صدی کے نصف ثانی میں اس نظریہ کے ردّعمل میں جو نظریہ وجود میں آیا وہ نوم چومسکی ﴿۱۷﴾ کا ''قواعد تحویلیہ'' کا نظریہ تھا۔ جس میں اس نے اپنے پیشرو محققین پر کاری ضرب لگائی اور آج تک لسانیات کے موضوع پر جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس پر چومسکی کے افکار کی چھاپ ہے۔ لسانیات کے میدان میں نوم چومسکی کی کتاب ''تراکیب نحویہ'' (Syntactic Structures) نے بے پناہ شہرت حاصل کی۔ یہ کتاب 1957ء میں

چھپی ﴿۱۸﴾۔ اس میں چومسکی نے دی سوسیر کی تقسیم ''لغت'' اور ''کلام'' کو ملحوظ رکھا اور لغت (Competence) کی تعبیر اس طرح سے کی کہ یہ وہ قدرت ہے جو ایک معاشرہ کے ہر فرد میں پائی جاتی ہے۔ اس کی بدولت وہ ایسے جملے تخلیق کرتا ہے جو اس نے پہلے کبھی نہیں سنے ہوتے زبان کے اس ملکہ کو وہ معرفت لغوی کا نام دیتا ہے اور اس کے نزدیک اس معرفت کی بنیادیں وہ صرفی و نحوی قواعد ہیں جو الفاظ کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے جملہ بناتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کے نزدیک لغت اور کلام میں فرق یہ ہے کہ کلام عمل کا نام ہے اور لغت اس عمل کی حدود، کلام ایک رویہ ہے اور لغت اس رویہ کا معیار، کلام ایک حرکت ہے اور لغت اس حرکت کا نظام، کلام بول کر سنا جاسکتا ہے اور لکھ کر دیکھا جاسکتا ہے جب کہ زبان کلام میں غور وفکر سے سمجھی جاسکتی ہے۔ کلام منطوق ومکتوب ہوتا ہے، جسے کتب قواعد اور معاجم وغیرہ میں موصوف کا درجہ حاصل ہے۔ کلام کبھی صرف فرد کا عمل ہوسکتا ہے، جب کہ لغت صرف اجتماعی وجود رکھتی ہے۔

چومسکی جملوں کی معنوی توضیح کے لیے معروف قواعد کے علاوہ قواعد تحویلیہ (Transformational Rules) کا تصور پیش کرتا ہے۔ جن کا تعلق جملہ کی اس باطنی ترکیب سے ہوتا ہے جس میں معانی پنہاں ہوتے ہیں۔ اس کے نزدیک ہر ترکیب لغوی ظاہری (Surface Structure) کا ایک باطنی وجود (Deep Structure) ہے اور یہی باطنی وجود جملہ کی معنوی کیفیت پر دلالت کرتا ہے۔ تمام صرفی ونحوی وصوتی قواعد ایک ترکیب باطنی کو ترکیب ظاہری کا وجود بخشتے ہیں۔ ''قواعد تحویلیہ'' میں اس اعتبار سے چومسکی کا موقف لغویین کے قریب ہوجاتا ہے۔ جنہیں اس کے پیشرو لسانیات کے وصفی تشکیلی اسکول نے نظر انداز کردیا تھا۔

چومسکی کے نظریات عام ہونے کے بعد لسانیات کا موضوع بہت وسیع ہوگیا اور یہ علم اجتماعی تحقیق کا مرکز بن گیا۔ سوشیالوجی (اجتماعیات) سوشل سائیکالوجی (اجتماعی نفسیات) اور علم الاجناس کے ماہرین نے اس علم کی طرف توجہ کی۔ یہاں تک کہ اس علم کی ہر شاخ خود ایک موضوع بن گئی۔ ترقی یافتہ ممالک کی جامعات میں یہ علم اعلیٰ تعلیمی اسناد کے لیے مخصوص ہے۔ علماء عرب میں یہ علم مختلف اصطلاحات کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔

بعض کے نزدیک یہ علم اللغہ ہے۔ ایک گروہ اسے اللسانیات سے تعبیر کرتا ہے۔ دوسرا اسے فقہ اللّغہ کا نام دیتا ہے۔ اگر چہ فقہ اللّغہ اس کے لیے موزوں نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق تحریر شدہ زبان اور نصوص کی تحقیق اور زبان کے تاریخی علم سے ہے اور یہ انگریزی اصطلاح (Philology) کے قریب ہے۔

ڈاکٹر سبزواری لکھتے ہیں کہ:

> ''قدیم زمانے میں لسانیات کو گرامر (صرف ونحو) یا علم اللّغہ یعنی علم اللسان کہا جاتا تھا۔ اس وقت یہ علم سادہ اور اپنی عمر کی ابتدائی منزل میں تھا۔ اس کے مسائل گرامر اور لغت کے مسائل ومباحث سے گڈمڈ تھے۔ حد فاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان امتیازی خط نہیں کھینچا جا سکتا تھا۔ لسانیات نے ایک قدم آگے رکھا اور گرامر کی چہار دیواری توڑ کر باہر آئی تو اس کا نام علم اللّغہ کی جگہ فقہ اللّغہ (زبان کا فلسفہ) قرار پایا۔ آج ہم گرامر کے اس اگلے قدم کو لسانیات کہتے ہیں۔ لسانی مسائل کا پہلا قدم گرامر تھا دوسرا قدیم زبان میں فقہ اللّغہ اور جدید زبان میں لسانیات ہے''۔ ﴿۱۹﴾

یہاں ڈاکٹر صاحب کا جدید لسانیات کے لیے فقہ اللّغہ کی قدیم اصطلاح کا استعمال محل نظر ہے۔ کیونکہ فقہ اللّغہ کا تعلق تحریر شدہ زبان، نصوص کی تحقیق اور زبان کے تاریخی علم سے ہے۔ (جیسا کہ ہم لکھ چکے) اور جدید لسانیات کے لیے اس اصطلاح کا استعمال اس کے اصل معنی اور مدلول کو نظروں سے اوجھل کر دے گا۔

لاڈو نے لسانیات کی تعریف یوں کی ہے:

> "Linguistic is the science that describes and classifies languages. The linguist identifies and describes units and

patterens of the sound system, the words and morfhemes and the phrases and sentences, that is, the structure of language. ﴿20﴾

ڈاکٹر سبزواری لسانیات کی وضاحت مزید یوں فرماتے ہیں:

''لسانیات زبان کی تنقید ہے اور اگر تنقید تخلیق ہے تو لسانیات کو بھی تخلیق کی ایک صنف قرار دینا ہوگا۔ مشہور ماہر لسانیات میکس مولر نے گرامر اور لسانیات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں ''کیا'' اور کیوں کا فرق ہے۔ گرامر کیا ہے اور لسانیات ''کیوں''۔ ﴿۲۱﴾

ڈاکٹر زور، جان پیل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جان پیل نے 1877ء میں لکھا تھا کہ جس طرح کوئی ماہر نباتات پھولوں کا تجزیہ کرتا ہے۔ ایک لسانیاتی ماہر ہر لفظ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیکھتا ہے تا کہ وہ معلوم کرے کہ وہ کن اجزاء سے مرکب ہے اور ان اجزاء کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے''۔ ﴿۲۲﴾

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ لسانیات کے علم کے تحت ان تمام مسائل سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ایک زبان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً تمام بولی جانے والی آوازیں یا سنی جانے والی آوازیں، الفاظ، تراکیب، معانی وغیرہ کا مطالعہ اور پھر ان لسانیاتی مظاہر پر اثر انداز ہونے والے نفسیاتی، حیاتیاتی اور سماجی عوامل کے اثرات کا جائزہ اس علم کے تحت لیا جاتا ہے۔ اس سارے عمل میں استقرا و استنتاج کے جدید اسالیب اختیار کیے جاتے ہیں اور نتائج تک پہنچنے کے لیے دیگر علوم، مثلاً ریاضیات و منطق، علم الاعضاء، علم النفس اور علم الاجتماع سے مدد لی جاتی ہے۔ لسانیات درحقیقت مختلف علوم کا مجموعہ ہے جس کا ہدف انسان کے لسانیاتی مظاہر کا مطالعہ کرنا ہے۔

لسانیات کی اہم شاخیں

ماہرین لسانیات کو دو بنیادی شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں:

- نظری لسانیات
- اطلاقی لسانیات

بعض کے نزدیک علم الاصوات تیسری شاخ ہے لیکن صحیح رائے یہ ہے کہ علم الاصوات کا مطالعہ نظری لسانیات کے تحت کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اصوات بھی انسان کے لسانیاتی نشاط کی عکاسی کرتی ہیں اور بالآخر علم الاصوات کے ڈانڈے علم صرف ونحو سے جا ملتے ہیں۔ لسانیاتی تقسیم کے اس اتفاق کے باوجود بعض مرتبہ نظری واطلاقی پہلو ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہوتے ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کا مرہون منت ہوتا ہے۔ مثلاً مفردات کا مطالعہ (Morphology) اور معانی کی تحقیق (Semantics) دونوں نظری علوم ہیں جنہیں علم الالفاظ (Lexicology) کہا جاتا ہے۔ مگر انہیں سے متعلق علم معاجم (Lexicography) اطلاقی لسانیات کے تحت آتا ہے۔

نظری لسانیات (Theoretical Linguistics)

اس عنوان کے تحت درج ذیل علوم سے بحث کی جاتی ہے۔

- علم الاصوات
- علم القواعد
- تاریخی لسانیات
- علم الدلالہ

علم الاصوات (Articulatory Phonetics)

اس علم کے تحت حروف کے مخارج اور اعضائے نطق کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

علم اصوات سمعی (Acoustic Phonetics)

سمعی اصوات کے علم سے مراد آواز کی لہروں کا ہوا سے گزر کر سامع کے کان تک اس کی وصولی اور اس عمل کے جملہ مؤثر عوامل کا تجزیہ ہے۔ اس طرح زبان میں اصوات (آوازوں) کے کردار (Phonology) کا مطالعہ بھی اس علم کا موضوع ہے۔

✿ علم القواعد (Grammar)

اس کے دو حصے ہیں:

- علم الصرف (Morphology) جس میں کلمہ کی بناوٹ یا دوسرے لفظوں میں معنی کے حامل یونٹوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- علم النحو (Syntax) جس کا موضوع جملہ، شبہ جملہ یا اس کی اقسام ہیں یا دوسرے لفظوں میں اس علم میں ''نظم کلام'' کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

✿ تاریخی لسانیات (Historical Linguistics)

لسانیات کی اس شاخ کے تحت زبانوں کا ارتقاء ان کے خاندانوں کا مطالعہ اور ملتی جلتی زبانوں کی باہمی مناسبت اور ان کے درمیان مشابہت کے اسباب اور اختلاف کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

✿ علم الدلالہ (Semantics)

اس علم میں لسانیاتی رموز اور ان کی دلالت سے بحث کی جاتی ہے اور الفاظ کے معانی کا تاریخی ارتقاء واضح کیا جاتا ہے۔

✿ اطلاقی لسانیات (Applied Linguistic)

لسانیات کے اس عنوان کے تحت درج ذیل علوم سے بحث کی جاتی ہے:

✿ نفسیاتی لسانیات (Psycholinguistics)

نفسیاتی لسانیات کا موضوع بچوں اور بالغوں میں مادری زبان کا اکتساب ہے اور اکتساب کے اس عمل کے دوران بچے پر جو حیاتیاتی، نفسیاتی اور سماجی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں ان کا مطالعہ کرنا ہے۔ اسی طرح اجنبی زبانوں کی تعلیم میں اثر انداز ہونے والے داخلی و خارجی عوامل کا جائزہ بھی اس عنوان کے تحت لیا جاتا ہے۔ مزید برآں کلام اور نطق کے عیوب کے اسباب کا کھوج بھی نفسیاتی لسانیات ہی کا موضوع ہے۔

سماجی لسانیات (Sociolinguistics)

لسانیات کی یہ شاخ معاشرہ پر زبان کے اثرات کا جائزہ لیتی ہے۔ جغرافیائی لہجات بھی اس کا موضوع ہیں۔ معاشرے کے مختلف طبقات کی زبان اور لسانیاتی اختلاط سے بھی یہ بحث کرتی ہے۔ اس علم کا اہم میدان لسانیاتی منصوبہ بندی ہے۔ جس میں مختلف مسائل جیسے کتابت کا نظام، سرکاری زبان کا تعین اور اس کی ترقی و بقا کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔

مشینی لسانیات (Computational Linguistics)

لسانیات کی اس شاخ کے تحت لسانیاتی معلومات کی کمپیوٹر میں تخزین کی جاتی ہے اور پھر لسانی مطالعہ کے لیے بوقت ضرورت اس الکٹرونی دماغ کو حرکت دی جاتی ہے۔ اس علم کا اہم موضوع خودکار ترجمہ کا نظام ہے۔

معاجم کی تدوین

تطبیقی لسانیات کی یہ شاخ لغات کی تدوین سے متعلق ہے۔ یہ لغات مختلف اصولوں پر تیار کی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ کبھی یک لسانی ہوتی ہیں اور کبھی دولسانی مثلاً (اردو۔عربی) اور کبھی کئی لسانی مثلاً اردو، عربی، انگریزی وغیرہ۔

تعلیم اللغات

تطبیقی لسانیات کی یہ شاخ سب سے اہم ہے اس لیے کہ بعض علمائے لسانیات اطلاقی لسانیات سے مراد صرف زبانوں کی تدریس (خاص طور پر اجنبی زبانیں) لیتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت تمام وہ امور جن کا تعلق کسی طرح سے بھی زبانوں کی تدریس سے ہوتا ہے زیر بحث آتے ہیں۔ مثلاً نفسیاتی، سماجی اور تدریسی مشکلات، تدریس کے جدید طریقے اور رجحانات، مددگار تعلیمی وسائل، معلّمین کی تیاری اور نصاب کی تدوین وغیرہ۔ ﴿۲۳﴾

مندرجہ بالا فروع کے علاوہ بعض مغربی جامعات میں اس کے علاوہ درج ذیل امور سے خاص طور پر بحث کی جاتی ہے۔

✿ تقابلی لسانیات اور تحلیل اخطاء

اس عنوان کے تحت مختلف زبانوں کا تقابل کیا جاتا ہے اور ان نکات کو خاص طور پر موضوع بنایا جاتا ہے جو ایک اجنبی زبان کی تدریس میں طالب علم کے لئے رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ علم طالب علم کی لسانی غلطیوں کا علمی تجزیہ بھی کرتا ہے اور ان اسباب کا کھوج لگاتا ہے جس سے طالب علم غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔

تقابلی لسانیات کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب یونانی اور لاطینی زبانوں کا ایک مشترک ماخذ تلاش کرنے کے خیالات یورپ کے علما میں بار بار پیدا ہوئے اور اکثر یہ بات ثابت کرنے کی ناکام کوششیں کی گئیں کہ ان کا ماخذ عربی زبان ہے۔ آخر کار ایک انگریز فاضل جونس (Jones) نے 1876ء میں اپنی لسانی تحقیقات کے نتائج شائع کیے جن سے لاطینی، یونانی، گوتھک، سنسکرت اور کلٹک زبانوں کے اشتراک ماخذ پر روشنی پڑتی ہے۔ ﴿۲۴﴾

موجودہ صدی کے نصف ثانی میں مشی گن یونیورسٹی امریکہ کے اساتذہ ان تحقیقات کا ہر اوّل دستہ ہیں۔ اس سلسلہ میں امریکہ میں مرکز اطلاقی لسانیات قائم ہوا۔ جس کی نگرانی میں انگریزی زبان کا ہسپانوی، اٹالین اور جرمن کے ساتھ تقابل کیا گیا۔ اور اس بات پر زور دیا گیا کہ طلبہ کے لیے اجنبی زبانوں کے امتحانات ان کی مادری زبانوں کے ساتھ تقابل کی بنیاد پر منظم کیے جائیں۔ اس طرح سے یہ علم زبانوں کی تدریس کے عملی میدان میں داخل ہوگیا۔ اسی زمانے میں تحلیل اخطا (Error Analysis) کا نظریہ وجود میں آیا۔ جس کی اساس یہ دعویٰ تھا کہ تحلیل تقابلی کے نتیجہ میں ضروری نہیں کہ ان تمام مشکلات کا احاطہ کرلیا جائے جو ایک اجنبی زبان سیکھنے والے طالب علم کو پیش آتی ہیں۔ کیونکہ تحلیل تقابلی کی بنیاد علم نفس کی اصطلاح میں لغوی تداخل (Linguistic Interference) اور انتقال تجربہ (Transfer of Experience) ہے۔ جب کہ ایک طالب علم کی لسانیاتی مشکلات ان دو اُمور پر منحصر نہیں بلکہ اسلوب تعلیم، لغوی نصوص اور مطلوبہ زبان کی ساخت اور اس قسم کے دیگر اُمور ایک زبان کے سیکھنے کے عمل پر اثر انداز.

ہوتے ہیں۔ نظریہ تحلیلِ اخطا کے داعیوں کے مطابق یہی وہ نظریہ ہے جس سے طلبہ کی لسانیاتی مشکلات کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں نظریات میں کوئی باہمی تعارض نہیں۔ دونوں طریقوں کا استعمال زبان کی تدریس میں مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ ﴿۲۵﴾

تقابلی لسانیات کیوں؟

مشہور ماہرِ لسانیات لاڈو نے کئی لسانیاتی امتحانات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ اجنبی زبان کی سہولت اور صعوبت کا راز مادری زبان کے ساتھ اس کے تقابل میں مضمر ہے۔ لسانیاتی تقابل کی ضرورت دراصل زبانوں کے درمیان گہرے روابط اور اشتراک کی بناء پر پیش آتی ہے۔ کیونکہ ایک زبان کی غلطیاں دوسری زبان کے توسط سے ہوتی ہیں، جس کا لسانیاتی مزاج پہلی زبان سے مختلف ہوتا ہے۔ اور اس کا عکس بھی درست ہے کہ ایک زبان کا علم دوسری کے سیکھنے میں معاون ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب اصلی زبان اور مطلوبہ (ہدف) زبان میں گہری مماثلت ہو۔

زبانوں کے اسی اشتراک واختلاف کو واضح کرنے کے لیے تقابلی لسانیات کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ زبانوں کے باہمی تشابہ اور تخالف کی بناء پر سرزد ہونے والی غلطیوں سے بچا جاسکے اور سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ تقابلی لسانیات کی روشنی میں زبان کی نصابی کتب کا بھی جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ کیا ایک کتاب لسانیاتی اشتراک واختلاف میں پیدا ہونے والی سہولتوں اور مشکلات کا احاطہ کرتی ہے یا نہیں۔ اور اگر یہ تقاضہ پورا نہ ہو رہا ہو تو نیا تعلیمی مواد اس علم کی روشنی میں تیار کیا جاسکتا ہے۔ تمرینات مرتب کی جاسکتی ہیں۔ جو یہ تقاضہ پورا کرتی ہوں۔ یہ لسانیاتی تقابل اصوات، قواعد، مفردات (ذخیرۂ الفاظ) میں کیا جاتا ہے۔ جب کہ زبانوں کے باہمی ثقافتی اختلافات کی بناء پر ثقافتی اعتبار سے تقابلی مطالعہ اپنی جگہ منفرد اہمیت رکھتا ہے۔ لاڈو نے تقابلی مطالعہ کی اہمیت یوں واضح کی ہے:

"Of special interest to the language teacher is contrastive linguistics, which compares the structures of two languages to determine the points where they differ. The differences are the chief sourse of difficulty in learning a second language.

The linguist takes up each Pnoneme in the native language and compares it with the phonetically most similar ones in the second language. He describes their similarities and differences. He takes up the sequences of Phonemes and does likewise. Morhpeme and syntax patterns are also compared and the diffrences described. The results of these contrastive descriptions form the basis for the preparation of language texts and tests, and for the correction of students bearning a language. ﴿26﴾

جدید لسانیات
نظری لسانیات
تطبیقی لسانیات
علم اصوات نطقی
تاریخی لسانیات
علم دلالت
علم قواعد
علم اصوات نطقی
علم اصوات سمعی
علم الصرف
علم نحو
تقابلی لسانیات و تحلیل اخطاء
نفسیاتی لسانیات
سماجی لسانیات
تعلیم لغات
مشینی لسانیات
تدوین معاجم
طریقہ ہائے تدریس
امتحانات
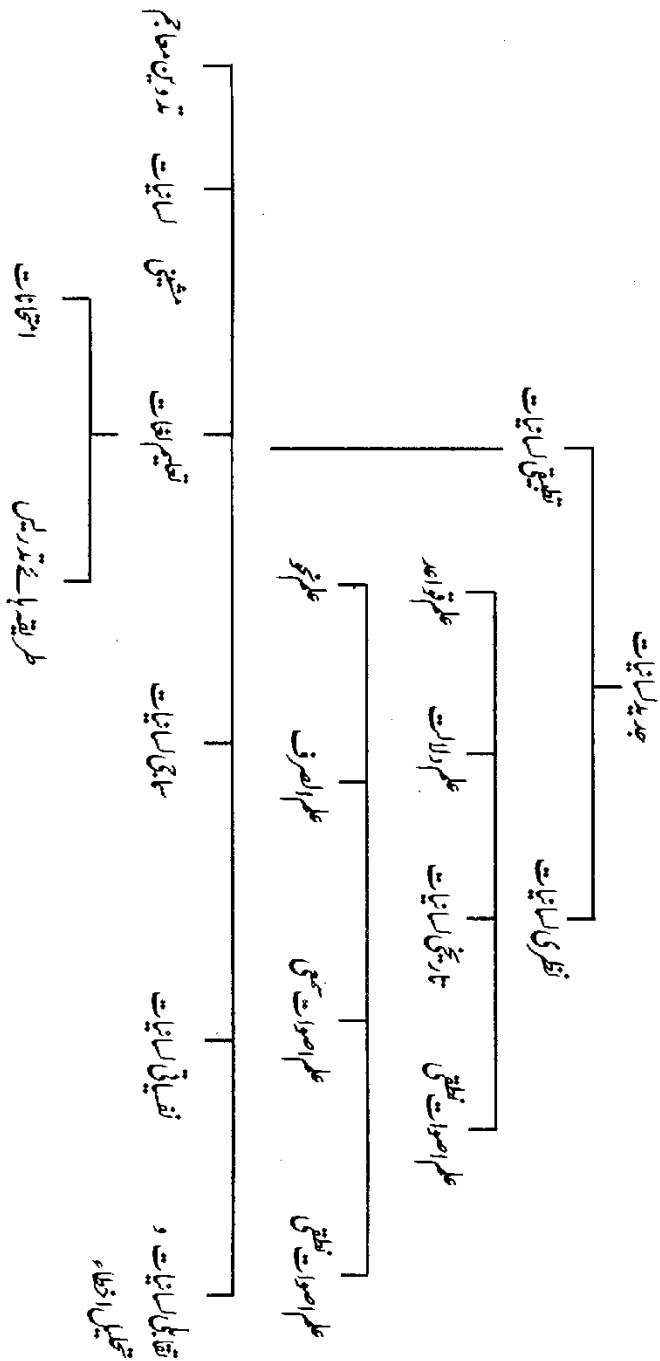
حواشی و حوالہ جات (مقدمہ)

(۱) القرآن: الذّاریات، آیۃ: ۲۱

(۲) القرآن: حم سجدہ، آیۃ: ۵۳

(۳) القرآن: الرّوم، آیۃ: ۲۲

(۴) القرآن: الذّاریات، آیۃ: ۲۳

(۵) القرآن: الرحمٰن، آیۃ: ۳،۴

(۶) جدید سائنسی یا توضیحی لسانیات کا تاریخی مسائل سے اتنا گہرا تعلق نہیں۔ وہ تو اس عہد یا کسی معین عہد کی زبان کی تشریح و توضیح اور تجزیہ کو اپنا موضوع بناتی ہے مگر تاریخی اور تقابلی لسانیات کی افادیت آج بھی مسلم ہے، اور اس پر مسلسل کام ہو رہا ہے۔ اور یہ کوشش بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

(۷) پانینی: دنیا کا پہلا معلوم عالم لسانیات، سنسکرت کی قواعد کا مصنف، جو دنیا کی قدیم ترین گرامر ہے۔ پیدائش چوتھی صدی قبل مسیح۔

(۸) نایف خرما: اضواء علی الدراسات اللغویۃ المعاصرۃ، (الکویت، مطابع الیقظۃ) ۱۹۷۸ ص: ۹۰

(۹) ابن فارس۔ ابوالحسن احمد بن فارس المتوفی ۳۹۵ھ، چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر کا مشہور لغوی، لغت کی مشہور کتاب مقاییس اللغہ اور المجمل کے علاوہ تقریباً چالیس کتابوں کا مصنف۔

(۱۰) ابن جنی۔ ابوالفتح عثمان ابن جنی المتوفی ۳۹۲ھ نحو، لغت اور عربی علم الاصوات کا امام

(۱۱) ابن جنی۔ الخصائص، الجزء الثانی ص: ۵۹۔ (دارالکتب، القاہرۃ، تحقیق محمد علی النجار)

۱۹۵۲

(۱۲) سیبویہ۔ عمرو بن عثمان سیبویہ المتوفی ۱۸۰ھ، نحو میں بصرہ کے مکتبہ فکر کا امام اور نحو کی مشہور کتاب ''الکتاب'' کا مصنف۔ جو قرآن نحو مشہور ہے۔

(۱۳) تمام حسان: اللغۃ بین المعیاریہ والوصفیہ۔ (مصر، مکتبۃ الانجلو) ۱۹۵۸، ص: ۲۵،۲۳

(۱۴) روسو Jean Jacques Rousseau المتوفی ۱۷۷۸ء فرانس کا مشہور فلسفی، انشا پرداز اور ماہر عمرانیات

(۱۵) ہرڈر Herder Johann Gottfried المتوفی ۱۸ دسمبر ۱۸۰۳ء جرمنی کا مشہور نقاد، فلسفی اور ماہر لسانیات "Essay on the Origin of Language" کا مصنف

(۱۶) بلومفیلڈ Leonard Blomfield المتوفی ۱۸ اپریل ۱۹۴۹ء، بیسویں صدی کا مشہور ماہر لسانیات، جس کی کتاب (Language) ۱۹۳۳ء لسانیات کی دنیا میں مشہور ہوئی۔

(۱۷) Chomsky, (Avram) Noam ولادت ۷ دسمبر ۱۹۲۸ء، بمقام فلاڈیلفیا۔ امریکہ۔ ماہر لسانیات، ادیب اور ماہر سیاسیات

(18) Noam Chomsky = Syntactic Structures (The Hague Mouton) 1957

(۱۹) شوکت سبزواری ڈاکٹر: لسانی مسائل، (کراچی، مکتبہ اسلوب) ۱۹۶۲، ص: ۸

(20) Lado: Language Teaching, (Tata, Delhi), 1976, P.18-19

(۲۱) سبزواری: لسانی مسائل، ص: ۱۴

(۲۲) سید محی الدین قادری زور، ڈاکٹر: ہندوستانی لسانیات، (مکتبہ معین الادب، لاہور)
۱۹۶۱، ص: ۲۲

(۲۳) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں

- **Lado= Language Teaching by Lado, Chapter-2, P.11-12**
- **Winfrid P. Lehmann, Descriptive Linguistics (Random House New York), 1975 Chapters. 12-13-14-15**

(۲۴) سید محی الدین قادری، زور، (ہندوستانی لسانیات، (مکتبہ معین الادب لاہور)
۱۹۶۱، ص: ۲۷

(۲۵) الصینی، محمود اسماعیل: التقابل اللغوی و تحلیل الاخطاء (سعودی عرب، جامعہ ملک سعود) ص: ۱

(26) LADO: "Language Teaching" Page:21

باب اوّل

اُردو کا ماخذ

نسلی اور تاریخی اعتبار سے دنیا کی زبانیں آٹھ بڑے بڑے خاندانوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔

- سامی
- ہند چینی
- دراوڑی
- مونڑا
- افریقہ کی بانتو
- امریکی
- ملایائی
- ہند یورپی

ان میں سے ہر خاندان واضح کرتا ہے کہ اس کے بولنے والے خاص خاص ملکوں یا قبیلوں کے افراد ہیں جو ایک دوسرے سے جدا بھی ہوئے لیکن ان کی زبان میں وہی قدیم اشتراک باقی ہے۔ سامی زبانیں سام ابن نوح سے منسوب ہیں۔ اس کی مشہور شاخوں میں آشوری، عبرانی، فنیقی عربی اور چند حبشی بولیوں کا شمار کیا جاتا ہے۔ عبرانی اور عربی نے مذہبی کتابوں کی زبان ہونے کی وجہ سے زیادہ شہرت حاصل تھی۔

زبانوں کے خاندانوں میں سب سے اہم خاندان ہند یورپی ہے۔ کیونکہ اس میں اکثر ایسی زبانیں داخل ہیں جو اپنے اعلیٰ ادبی و علمی ذخیروں کی وجہ سے نمایاں ہیں۔ یہ لسانی گروہ دیگر لسانی خاندانوں کے مقابلہ میں نہایت وسیع اور زیادہ حصہ زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ برصغیر ہندوپاک میں زیادہ تر اسی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یورپ کی اکثر زبانیں، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اٹالوی وغیرہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ ایران، توران ارمینیا وغیرہ کے باشندے بھی اسی کی شاخیں بولتے ہیں۔ اس خاندان کی زندہ زبانوں کو آٹھ شاخوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

- ہند ایرانی یا آریائی
- ارمنی
- سلانی
- البانوی
- ہیلینی
- اٹالوی
- کیلٹک
- ٹیوٹونی ﴿۱﴾

اُردو زبان کا تعلق ہند ایرانی یا آریائی خاندان سے ہے۔

ہندآریائی خاندان

آریائی قومیں جو زبانیں بولتی ہوئی ہندوستان میں داخل ہوئیں، وہ ڈھائی تین ہزار سال تک ارتقاء کی منازل طے کرتی رہیں۔ ان میں تین ادوار اہم اور نمایاں ہیں۔ سنسکرت اور اس کی ہم عصر بولیوں کا دور۔ پراکرتوں کا دور۔ اپ بھرنشاؤں کا دور۔

جدید ہندآریائی دور

۱۰۰۰ عیسوی کے بعد اپ بھرنشاؤں نے ارتقائی عمل سے گزرتے ہوئے جدید ہند آریائی زبانوں کو وجود بخشا۔ ماہرین لسانیات اتفاق رائے سے جدید آریائی زبانوں کے ظہور کا زمانہ ۱۰۰۰ عیسوی ہی تسلیم کرتے ہیں۔

چٹرجی لکھتے ہیں:

It was during the first few centuries after 1000 A-D that the modern indian languages came into existence.

یہ زبانیں حسب ذیل پانچ شاخوں میں منقسم ہوتی ہیں:

- شمالی مغربی گروہ
- مشرقی گروہ
- جنوب مغربی گروہ
- جنوبی گروہ
- وسطی گروہ

- اردو زبان کا تعلق وسطی گروہ سے ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محی الدین زور کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ وسطی ہند آریائی زبان کا مشہور نام مغربی ہندی ہے۔ اس کی اہم اقسام میں برج بھاشا وہ بولی ہے جو بریلی، علی گڑھ، متھرا۔ دھول پور کے اطراف و اکناف میں رائج ہے۔
- قنوجی، جو بالائی دوآبہ میں برج بھاشا علاقہ کے مشرق میں بولی جاتی ہے۔
- بندیلی، بندیل کھنڈ اور وسط ہند کے علاقوں میں رائج ہے۔
- بانگرو جو جنوب مشرقی پنجاب میں بولی جاتی ہے۔

✿ ہندوستانی جو برج بھاشا علاقہ کے شمال میں انبالہ سے رامپور تک بولی جاتی ہے۔ اس کو کھڑی بولی اور ہندی بھی کہتے ہیں۔ اردو زبان اسی کی شاخ تصور کی جاتی ہے۔ وسطی گروہ کی زبانوں کا درج ذیل نقشہ ملاحظہ ہو۔
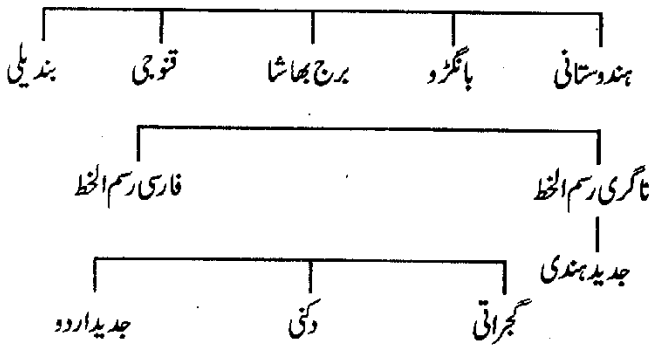
اُردو کا ماخذ

اُردو کے آغاز وارتقا کے بارے میں مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ مگر یہ نظریات اتنے مختلف النوع ہیں کہ کسی ایک نظریہ کو حتمی قرار دینا مشکل ہے۔ تاہم ماہرین لسانیات کی اکثریت اس بات پر متفق نظر آتی ہے کہ ہندوستانی اُردو زبان ہی کا نام ہے۔ اختلاف اس کی جنم بھومی میں ہے۔ کہ کیا وہ پنجاب کے دریاؤں کی سرزمین ہے؟ سندھ کی وادیاں ہیں، مالابار کے ساحل ہیں یا دکن و دلی کی آغوش ہے؟

مولانا سید سلیمان ندوی ہندوستانی اور ہندی کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''چونکہ مسلمانوں سے پہلے یہ ملک بہت سی راج دھانیوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس لیے نہ اس میں کوئی متحدہ زبان تھی اور نہ کسی متحدہ قومیت کا وجود تھا۔ اور نہ ایک متحدہ مملکت تھی۔ مسلمانوں نے آ کر اس برِّ اعظم کو

ایک علم کے نیچے، ایک مرکز کے ماتحت، ایک ملک بنایا جس کا نام پہلے ہند اور پھر ہندوستان رکھا۔ اور ایک زبان پیدا کی جس کا نام زبان ہند، لغت ہند، ہندوی، ہندی، زبان ہندوستان اور ہندوستانی رکھا''۔

ہندوستانی کے مقابلہ میں ہندی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج کل جس کو ہندی کہتے ہیں، وہ پورب کی ایک صوبہ وار بولی ہے۔ جس کے لیے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ یہ پورے ملک کی بولی ہو جائے۔ مگر حقیقت میں اس کا ایسا نام جس کی معنویت کے دائرہ میں سارا ہندوستان داخل ہو جائے خود بدیسی ہے''۔ ﴿۳﴾

اُردو زبان کی ابتدائی شکل ''ہندوستانی'' کے مولد میں اختلافات کے باوجود ماہرین اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ یہ زبان پراکرتوں میں عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش کا نتیجہ تھی۔ یہ مفروضہ قائم کرنے کے بعد اب صرف یہ تعین کرنا باقی تھا کہ یہ آمیزش کب ہوئی۔ اس بارے میں ہر ایک نے اپنی اپنی فہم و فراست کے مطابق اندازہ لگانے کی کوشش کی اور اس طرح محمد بن قاسم کے حملے ۷۱۲ء سے لے کر عہد شاہجہاں تک (۱۶۲۸ء سے ۱۶۵۸ء) کوئی ایک ہزار سال کے عرصہ میں مختلف ادوار کو اردو زبان کی پیدائش کی طرف منسوب کر دیا گیا اور مختلف نظریات وجود میں آئے۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے درمیانی زمانہ میں عرب مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت تجارتی اغراض سے ہندوستان پہنچی اور مالا بار کے ساحلوں پر سکونت اختیار کی۔ مدراس کے بہت سے مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ انہیں تاجروں کی اولاد ہیں اور یہ کہ ان کے آبا واجداد صرف ساحل مالا بار پر نہیں رکے، بلکہ تمام ملک عبور کرتے ہوئے ہندوستان کے مشرقی سواحل تک پہنچ گئے۔ ان مسلمانوں کی عربی اور مقامی بولیوں کے اختلاط سے جو زبان وجود میں آئی وہ موجودہ اُردو کی ماں تھی۔ ﴿۴﴾

دوسرے نظریہ کا تعلق مسلمانوں کی آمد سندھ سے ہے۔ سندھ کی مکمل فتح ۷۱۲ء میں ہوئی

اور اس وقت سے نویں صدی عیسوی کے وسط تک وہ اسلام کی عظیم مملکت کا ایک صوبہ رہا۔ سندھ میں مسلمانوں کا تقریباً چار صدیوں تک فروغ اس نظریہ کی طرف مائل کرتا رہا کہ وہاں انہوں نے فطرتاً ایک زبان کی نیو ڈالی ہوگی۔ جو اردو کی ابتدائی شکل تھا۔

مولانا سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں کہ:

مسلمانوں کا ہندوستان پر حملہ پہلی صدی ہجری کا واقعہ ہے اور یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس حملہ کی ابتداء مسلمانوں کے فاتحانہ جذبات کا نتیجہ نہ تھا۔ جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے بلکہ ایرانیوں کی اعانت کے لیے ہندوستان کی آمادگی ہے۔ اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کا حفظ ما تقدم کے طور سندھ پر قبضہ ہے۔ تقریباً اس کے چار سو برس بعد ترک اور ایرانی فتوحات کا سیلاب درّہ خیبر سے گزر کر ہمالیہ کے پانچ دریاؤں میں آ کر مل گیا۔ یہ اردو زبان کی تاریخ کا پہلا دن ہے''۔ ﴿۵﴾

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان کی موجودہ بولی پیدا تو سندھ اور پنجاب میں ہوئی۔ نشو ونما دکن میں پایا۔ تعلیم وتربیت دلی میں حاصل کی۔ لیکن تہذیب وسلیقہ لکھنو میں سیکھا''۔ ﴿۶﴾

مزید لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان کے ہر صوبہ میں الگ الگ بولی تھی۔ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں پہنچے ہیں۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ہیں اس کا ''ہیولیٰ'' اسی وادی سندھ میں تیار ہوا ہوگا''۔ ﴿۷﴾

ایک مقام پر علامہ کے الفاظ:

''موجودہ معیاری اُردو دہلوی زبان، دوسری زبانوں سے مل کر

بنی ہے" ﴿۸﴾۔ ہمارے محترم ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کو غلط فہمی ہوئی کہ سیّد صاحب نے اُردو کا مولد سندھ ہے۔ سے رجوع کرلیا۔ ﴿۹﴾

حالانکہ وہ اپنے ایک دوسرے مضمون ہندوستانی میں اس خیال کی توضیح یوں فرماتے ہیں:

"سندھی، ملتانی اور پنجابی آپس میں بالکل ملتی جلتی ہیں۔ تینوں میں بہت سے الفاظ کا اشتراک ہے تینوں میں عربی وفارسی کا میل ہے۔ صیغوں کے طریق میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ یہاں پر اس تاریخی غلط فہمی کا مٹانا ضروری ہے۔ جس کی رو سے عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ بولیاں موجودہ اردو کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ اردو انہی بولیوں کی ترقی یافتہ اصلاح شدہ شکل ہے۔ یعنی جس کو ہم اردو کہتے ہیں۔ اس کا آغاز ان ہی بولیوں میں عربی وفارسی کے میل سے ہوا۔ اور آگے چل کر دارالسلطنت دہلی کی بولی جسے دہلوی کہتے ہیں، مل کر معیاری زبان بن گئی۔ اور پھر دارالسلطنت کی بولی معیاری زبان بن کر تمام صوبوں میں پھیل گئی"۔ ﴿۱۰﴾

سیّد صاحب کے اس حوالہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سیّد صاحب، "دہلوی" کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں نشوونما پانے والی اُردو زبان کی ترقی یافتہ شکل اور معیاری زبان ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے۔ نہ کہ انہوں نے سندھ کے اردو کا مولد ہونے کے خیال سے رجوع کرلیا۔

تیسرا نظریہ محمود غزنوی کی فتوحات سے وابستہ ہے۔ یہ فتوحات فارسی اور ترکی بولنے والے لشکروں کے ہاتھوں عمل میں آئیں۔

سلطان محمود غزنوی متوفی ۴۲۱ھ نے گجرات تک دھاوا کیا۔ مگر اس کی سلطنت بالآخر پنجاب وسندھ میں سمٹ کر رہ گئی۔ جہاں تقریباً دوسو برس تک وہ قائم رہی۔ چنانچہ اسی واقعہ کی بناء پر پنجاب کے بعض ادیبوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اردو بہ نسبت برج بھاشا کے قدیم پنجابی

سے زیادہ مشتق ہے۔ پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے اپنی گرانقدر کتاب پنجاب میں اُردو، میں اُردو پنجابی دونوں سے متعلق بعض نہایت اہم اور دلچسپ لسانی پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ ﴿۱۱﴾ ان کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ''اُردو دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے۔ اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں''۔ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ ''غوریوں کے عہد میں جب دارالسلطنت لاہور سے دہلی جاتا ہے۔ اسلامی فوجیں اور دوسرے پیشہ ور اپنے ساتھ دہلی لے جاتے ہیں۔ دہلی میں یہ زبان برج اور دوسری زبانوں کے دن رات کے باہمی تعلقات کی بناء پر وقتاً فوقتاً ترمیم قبول کرتی رہتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ اردو کی شکل میں تبدیلی ہوتی ہے''۔

ڈاکٹر شیرانی اپنی اس رائے کے ثبوت میں اردو پنجابی و ملتانی کی لسانی مماثلت کی شہادت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہم دیکھتے ہیں کہ اردو اپنی صرف ونحو میں ملتانی زبان کے زیادہ قریب ہے۔ دونوں میں اسماوافعال کے خاتمے میں الف آتا ہے۔ دونوں میں جمع کا طریقہ مشترک ہے۔ یہاں تک کہ دونوں میں جمع کے جملوں میں نہ صرف جملوں کے اہم اجزاء بلکہ ان کے توابعات وملحقات پر بھی ایک ہی قاعدہ جاری ہے۔ دونوں زبانیں تذکیر و تانیث کے قواعد، افعال مرکبہ وتوابع میں متحد ہیں۔ پنجابی واُردو میں ساٹھ فیصد سے زیادہ الفاظ مشترک ہیں''۔

چوتھا نظریہ اردو کے آغاز کے بارے میں غوریوں کی دلی فتح کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس کا ضمنی ذکر ڈاکٹر شیرانی کے نظریہ کی وضاحت میں ہو چکا۔ ''سلطان محمد غوری نے ۱۱۹۳ء ساتویں صدی

ہجری کے آغاز میں لاہور اور ملتان سے آگے بڑھ کر اصل ہندوستان پر قبضہ کرلیا اور دہلی کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ ان کی حکومت پشاور سے گجرات اور بنگال تک قائم ہوگئی اور اس پورے ملک میں جہاں کہیں کبھی بول چال کی ایک زبان نہ تھی، ایک مشترک زبان ہند کا ہیولی تیار ہوگیا۔ ﴿۱۲﴾

اس نظریہ کو دوسرے نظریات کے مقابلہ میں نسبتاً قبول عام حاصل ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا گیا کہ اردو کا سنگ بنیاد دراصل مسلمانوں کی فتح دہلی سے بہت پہلے رکھا جاچکا تھا۔ مگر اس نے اس وقت تک ایک مستقل زبان کی حیثیت حاصل نہیں کی جب تک مسلمانوں نے اس شہر کو اپنا پایۂ تخت نہ بنالیا۔

پانچواں نظریہ یہ ہے کہ اردو عہد شاہجہاں میں دہلی کے گرد و نواح میں وجود میں آئی۔ ﴿۱۳﴾

اُردو کے مولد کے بارے میں ان پانچ بڑے نظریات کے علاوہ بھی طویل بحثیں ہیں جو خوف طوالت کی بناء پر اس عنوان کا حصہ نہیں بنائی جاسکتیں اور نہ کسی ایک بحث کو حرف آخر کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

نامور ماہر لسانیات اور محقق جناب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے الفاظ میں اس بحث کو یوں سمیٹا جاسکتا ہے۔

> ”یہ کسی خاص علاقہ، مذہب، کسی خاص فرقے، قبیلے۔ طبقے یا جماعت کی زبان نہیں۔ اس کی تشکیل و ترویج میں برصغیر کے تمام صوبوں، علاقوں، ان کے لوگوں کی مقامی بولیوں، لوک گیتوں، کہانیوں اور سنگیت نے حصہ لیا ہے۔ اس لیے اردو قید مقام سے آزاد ہے۔ کبھی پنجاب کے لہلہاتے سبزہ زاروں میں اس نے بچپن گزارا کبھی دلّی کی گلیوں اور بازاروں میں اسے پھرتے دیکھا گیا۔ اس کی جوانی کی اٹھان دکن اور گجرات میں ہوئی۔ دلّی اجڑ کر فیض آباد اور لکھنؤ پر رونق آئی تو اس نے پورب دیس کو اپنا مسکن بنایا۔ لیکن اس کی آواز سرحد کے بلند پہاڑوں، بنگال کے دریاؤں، لہلہاتے دھان کے کھیتوں، سندھ کے روپہلے چمکتے

ریتیلے میدانوں، کشمیر کے سبزہ زاروں اور جوئے باروں میں ہر جگہ سنائی دیتی رہی۔ ﴿۱۴﴾

اُردو نام

اُردو مختلف عہدوں میں مختلف ناموں سے پکاری جاتی رہی۔ پُرانے ناموں میں ہندی، ہندوی، ہندوستانی، دہلوی، زبان ہندوستان۔ لنگوا ہندوستان کا۔ ریختہ وغیرہ معروف ہیں۔ ﴿۱۵﴾

غالب کا شعر ہے:

ریختہ کے تمہیں اُستاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

لفظ اردو کے بارے میں سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ﴿۱۶﴾

> ''امیر خسرو اور ابو الفضل دونوں نے دہلوی زبان کا الگ نام لیا ہے۔ عہد شاہجہاں میں جب یہاں اُردوئے معلّٰی بنا تو اس زبان دہلی کا نام ''زبان اردوئے معلّٰی'' پڑ گیا۔ چنانچہ لفظ ''اُردو'' زبان کے معنی میں دہلی کے علاوہ کسی صوبہ کی زبان پر اطلاق نہیں پایا ہے۔ میر تقی میر کی تحریری سند میں جب اس کا نام پہلی دفعہ آیا ہے تو اصطلاح کے طور پر نہیں بلکہ لغت کے طور پر آیا ہے۔ یعنی میر نے اردو زبان نہیں کہا بلکہ ''اردو کی زبان کہا ہے''۔
>
> ''ریختہ کہ شعرے است بطور شعر فارسی بزبان اردوئے معلّٰی بادشاہ ہندوستان'' (بادشاہ ہندوستان کے کیمپ یا پایۂ تخت کی زبان) ذکر میر ص۔ ۱۶۳ اس کے بعد عام استعمال میں زبان اردو کے بجائے خود زبان کا نام ''اردو'' پڑ گیا۔

اردو شعرا میں سب سے پہلے مصحفی (۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۸۰ء) کے ہاں یہ لفظ بطور اسم علم آیا ہے۔

خدا رکھے زبان ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی
کہیں کس منہ سے اے مصحفی اُردو ہماری ہے ﴿۱۷﴾

ایک خیال یہ ہے کہ لفظ اردو، زبان کے معنوں میں سب سے پہلے مائل دہلوی نے استعمال کیا ہے۔﴿۱۸﴾

بہر حال لفظ اردو کچھ زیادہ پرانا نہیں دوسو (۲۰۰) سے کچھ زیادہ سال سے ہماری زبان اس اسم سے موسوم ہے۔ جہاں تک اردو کے قدیم ناموں میں ہندی کا تعلق ہے تو اس سے مراد قدیم ہندی ہے نہ کہ جدید ہندی جو فورٹ ولیم کالج کے قیام انیسویں صدی کی ابتدا میں ناگری رسم الخط میں لکھی جانے لگی۔ اور جس پر عربی فارسی کی جگہ برج بھاشا اور سنسکرت کا اثر زیادہ ہے۔ یہ ہندی اور اردو دونوں قدیم ہندی یا ہندوستانی کی شاخیں ہیں۔ البتہ اردو عمر اور دائرہ اثر میں بڑی زبان ہے۔ اور جدید ہندی نسبتاً چھوٹی زبان ہے۔

گریرسن جدید ہندوی اور اردو کے فرق کو یوں واضح کرتا ہے:

The name URDU can then be confined to that special variety of HINDUSTANI in which persion words are of frequent accurence, and which therefore can only be written with ease in the persion character; and similarly, Hindi can be confined to that form of Hindustani in which sunckarit words abound, and which therefore is ligible only when written in Nagri Character. ﴿19﴾

اُردو کا عربی عنصر

اُردو کے مولد و ماخذ پر تفصیلی بحث سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اردو کی نشو ونما اور ارتقا میں برصغیر کے تمام معاشروں نے حصّہ لیا۔ اور اس کی تشکیل میں ہر علاقہ کی مقامی بولیوں، لوک گیتوں اور کہانیوں کا حصّہ ہے۔ لیکن غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی تعمیر میں اس زبان نے جو حصہ لیا وہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ایک زمانے تک وہ ہندوستان کی دوسری صوبائی زبانوں کی طرح بول چال کی زبان تھی۔ مسلمانوں نے اسے پستی سے اٹھا کر علمی وادبی زبان کے درجے تک پہنچایا اور ثقافتی الفاظ و علمی اصطلاحات سے مالا مال کر کے اسے اس قابل بنایا کہ اس میں اعلیٰ شاعری کی جاسکے اور علمی کتابیں لکھی جاسکیں۔ ﴿۲۰﴾

مسلمانوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ جہاں بھی گئے انہوں نے اپنا انفرادی تشخص برقرار رکھا اور ہمسایہ اقوام کے ساتھ میل جول کے باوجود ان سے الگ تھلگ رہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں۔ لیکن ایک نمایاں سبب ان کا قرآن کریم کے ساتھ تعلق ہے۔ قرآن صرف ایک جامع دینی حیثیت کی حامل کتاب ہی نہیں بلکہ یہ کتاب مسلم تشخص اور قومیت کی بنیاد ہے۔ اس کتاب نے مشرق ومغرب، شمال وجنوب ہر گوشہ کے مسلمانوں کو ایک رشتہ وحدت میں پرو دیا اور مسافتوں کی دوریوں اور جغرافیائی اختلافات کو اس وحدت کے آڑے نہیں آنے دیا۔

قرآن کریم عربی زبان میں ہے۔ اس کے حروف عربی ہیں۔ مسلمانوں نے ابتدا ہی سے قرآن کی اصل زبان اور اس کے حروف کو برقرار رکھا۔ سمجھنے سمجھانے کے لیے تراجم کیے۔ لیکن عیسائیوں کی طرح صرف ترجموں پر انحصار نہیں کیا۔ بلکہ اصل متن کے ساتھ ہمیشہ اپنا رشتہ برقرار رکھا۔ اس رشتہ کے حوالے سے مسلمان عربی حروف کو اپنی ملی اور قومی پہچان سمجھنے لگے۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں:

> ”عربی دنیا کے مسلمانوں کی قومی زبان اور عربی حروف قومی حروف ہیں۔ دنیا کے مسلمانوں کی قومی زندگی میں عربی زبان وحروف کو

وہی درجہ حاصل ہے جو یہود کی زندگی میں عبرانی زبان و حروف کو ہے۔ اور
ہنود کی زندگی میں سنسکرت زبان اور دیوناگری حروف کو"۔ ﴿۲۱﴾

سبزواری صاحب نے اپنے اس موقف کی وضاحت یوں کی ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے محصور ہونے کے باوجود ان میں مذہبی اتحاد نہیں ہے۔ یہود اگرچہ مذہبی عقائد میں متحد ہیں، لیکن دنیا کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جس علاقہ میں ہیں وہیں کی زبان بولتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں عقائد، خیالات اور اختلاف زبان کے باوجود کس چیز نے رشتہ اتحاد کو مضبوط رکھا؟ اور اختلاف زبان و مکان کے ہوتے ہوئے یہود کو کس چیز نے ایک مستحکم حکومت کے قیام پر ابھارا؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ ہندوؤں کو سنسکرت زبان اور دیوناگری حروف نے اور یہود کو عبرانی زبان اور عبرانی حروف نے ایک وحدت میں پرو دیا۔ یہودی ایران کا ہو، یا ترکستان کا، عرب کا ہو یا افغانستان کا وہ اپنی مادری زبان کو عبرانی حروف میں لکھنا پسند کرتا ہے۔

اسی حوالہ سے عربی زبان مسلمانوں کی ملّی یکجہتی اور اتحاد کی زبان ہے۔ ایرانی، افغانی، ترکی اور اردو ہر چند جدا جدا زبانیں ہیں۔ لیکن ان سب نے عربی سے فیض حاصل کیا۔ اور عربی نے ان سب کی ضرورتوں کو ماں بن کر پورا کیا۔ ان زبانوں کے ثقافتی الفاظ، علمی وفنی اصطلاحات کا سرمایہ عربی کے ذخیرہ ہی سے لیا گیا۔ اس لیے ایرانی افغانی سے اور ترکی اردو سے مختلف ہوتے ہوئے بھی مختلف نہیں۔ ان میں ایک رشتہ اخوت ہے جو عربی عنصر نے قائم کر دیا ہے۔ ان زبانوں میں جس زبان پر عربی کی گہری چھاپ ہے وہ اردو ہے۔ اردو میں بیشتر الفاظ عربی اور فارسی کے ہیں اور یہ وہ الفاظ ہیں جو بول چال کی اردو میں نہ تھے۔ کیونکہ افعال و حروف اور روزمرہ زندگی سے متعلق بیشتر الفاظ ہندی الاصل ہیں۔ عربی الفاظ کی کثیر تعداد اس وقت اردو میں داخل ہوئی۔ جب مسلمانوں نے اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور علمی و ادبی اور فنی اصطلاحیں عربی کے وسیع اور شاندار ذخیرے سے لیں۔ اس لیے اردو اپنے مزاج و منہاج اور فطرت و جبلّت کے لحاظ سے غیر منقسم ہندوستان میں اسلامی زبان سمجھی گئی۔ ہندو نے زبان کے اس عربی عنصر کی بناء پر اسے

مسلمانی زبان ٹھہرایا۔ حالانکہ وہ ہندو اور مسلمانوں کے لیے مشترک سرمایہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ یوپی بہار وغیرہ کے صوبوں کے ہندو نہایت شوق سے یہ زبان بولتے تھے، لیکن بعد میں انہیں فرقہ وارانہ ذہنیت کے تحت یہ احساس دلایا گیا کہ وہ ہندو ہیں، اور اردو کے تمام تہذیبی الفاظ اور علمی اصطلاحیں عربی سے لی گئیں ہیں۔ تو وہ چونک پڑے اور اردو کے خلاف پہلے پہل یہ آواز اٹھائی کہ وہ مسلمان کی زبان ہے جو قرآنی حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اور اس کے تمام تہذیبی الفاظ کا سرمایہ قرآنی ہے اور آخر انہوں نے قرآن کے الفاظ کو زبان کے خزانہ سے نکال کر دیوناگری حروف میں اردو کو لکھنا شروع کیا۔ اور عربی کی زندہ اور جاندار اصطلاحیں چھوڑ کر سنسکرت کی مردہ اصطلاحات گھڑی گئیں۔ جس سے ایک بے میل ہندووانہ زبان کی داغ بیل پڑی۔ جس کا نام ہندی، ہندوستانی رکھا گیا۔

مختصر یہ کہ اردو کا یہی عربی عنصر برصغیر کے مسلم تشخص کی بنیاد بنا اور ہندو کی اردو مخالفت میں یہی اس کے حملوں کا نشانہ رہا۔ اور بقول شوکت سبزواری کہ ''مسلمانوں نے مذہب یا مذہبی ثقافت کی بنیاد پر ملک کی سیاسی تقسیم کرائی ﴿۲۲﴾۔ یہ درست ہے۔ لیکن ہندو اس سے پہلے تہذیبی بنیادوں پر زبان کا لسانی بٹوارہ کر چکا تھا''۔

اُردو کی آفاقیت

قیام پاکستان کے بعد اردو یہاں کی قومی سرکاری زبان قرار پائی۔ مگر اب اس کی وسعتیں صرف یہیں تک محدود نہیں۔ بلکہ یہ زبان برصغیر کی حدود سے تجاوز کر کے عرب ممالک اور خلیج کی ریاستوں تک پھیل گئی اور یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ اب بیشتر عرب ملکوں بالخصوص خلیج کی ریاستوں میں عوام کی سطح پر عربی کے بعد یہی زبان بولی جاتی ہے۔ اور عرب باشندے بڑے ذوق وشوق سے معرّب لہجے میں اردو بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ مغربی دنیا میں بھی اردو برصغیر کے لوگوں کے انتقال مکانی کی وجہ سے کئی ملکوں میں متعارف ہو چکی ہے۔ کئی مغربی ملکوں میں اردو کے فروغ کی انجمنیں وجود میں آچکی ہیں۔ جو ان ممالک میں علمی وادبی سرگرمیوں کے پروگرام ترتیب دیتی

رہتی ہیں۔اقوام متحدہ کے ایک جائزہ کے مطابق اردو آج دنیا کی پہلی تین سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے۔﴿۲۴﴾

پاکستان کے چاروں صوبوں میں مقامی بولیوں کے ساتھ ساتھ اردو واحد بین الصوبائی زبان ہے جس کے گہرے لسانی روابط مقامی زبانوں کے ساتھ ہیں۔ دفتری سطح پر اگرچہ انگریزی کا تسلط ہے۔لیکن اب قومی زبان کو دفتری زبان بنانے کے لیے اقدامات کیے جارہے ہیں۔اس سلسلہ میں ایک اہم قدم مقتدرہ قومی زبان کا قیام ہے۔ جو ۴/ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو عمل میں آیا۔اور جس کے فرائض میں یہ طے کیا گیا کہ وہ قومی زبان کو جلد از جلد سرکاری زبان بنانے کے لیے سفارشات مرتب کرے۔سرکاری و نیم سرکاری دفاتر کے لیے لغت کی راہنما کتابیں تیار کرے۔اور سرکاری ملازمین کو اردو زبان کے دفتری استعمال کے لیے تربیت دے۔اردو کے فروغ کی انجمنوں کے مابین روابط کو مضبوط کیا جائے۔اگر اخلاص کے ساتھ یہ کوشش جاری رہیں تو انشاء اللہ بارآور ثابت ہوں گی۔ان کوششوں کی کامیابی اس لیے بھی ضروری ہے کہ اردو ہماری نظریاتی پہچان اور قومی تشخص کی علامت ہے۔

حواشی وحوالہ جات (باب اوّل)

(1) KENNETH KATZNER: THE LANGUAGE OF THE WORLD (ROUTLEDGE AND KEGAN PAUL LONDON), 1975 P, 2-9

(2) CHATTERJI SUNITIKUMAR/: THE ORIGIN AND DEVELOPMENT OF THE BENGALI LANGUAGE, (CALCUTTA UNIVERSITY PRESS), Vol.1, PP. 17-20

(۳) سیّد سلیمان ندوی: نقوش سلیمانی، (اردو اکیڈمی سندھ) ۱۹۶۷ء، ص: ۵۸۔۵۹

(۴) نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، لاہور۔ اردو مرکز ص: ۸۔۹

(۵) ندوی: نقوش سلیمانی، ص: ۴

(۶) سابقہ مصدر، ص: ۸۷

(۷) سابقہ مصدر، ص: ۳۲

(۸) سابقہ مصدر، ص: ۲۸۷

(۹) اصلاحی۔ شرف الدین: اردو سندھی کے لسانی روابط (نیشنل بک فاؤنڈیشن) ۱۹۷۶۔ ص: ۴۰

(۱۰) ندوی: نقوش سلیمانی، ص: ۳۴

(۱۱) حافظ محمود شیرانی: پنجاب میں اردو، (انجمن ترقی اردو۔ لاہور) ص۔ ج۔ د، مقدمہ

(۱۲) آزاد، مولوی محمد حسین صاحب، شمس العلماء: نیرنگ خیال (لاہور، عالمگیر پریس) ۱۹۴۰۔ ص: ۴

(۱۳) آزاد، مولوی محمد حسین صاحب۔ ۔۔ یات، (لاہور، اسلامیہ اسٹیم پریس) ۱۹۱۳۔ ص: ۲۱

(۱۴) ابواللیث صدیقی ڈاکٹر: ادب ولسانیات، (اردو اکیڈمی سندھ) ۱۹۷۴ء۔ ص: ۲۰۴

(۱۵) اصلاحی: اردو سندھی کے لسانی روابط، ص: ۴۱

(۱۶) ندوی: نقوش سلیمانی، ص: ۲۶۱

(۱۷) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: جامع القواعد (صرف) لاہور (مرکزی اردو بورڈ) مارچ ۱۹۷۱ء۔ ص: ۲۸

(۱۸) ایضاً۔ ص: ۲۹

(19) GRIERSON: Linguestic Survey of INDIA (CULCUTTA) - 1 Part - 1 Chapter XIV P-167

(۲۰) ڈاکٹر شوکت سبزواری: لسانی مسائل، (کراچی، مکتبہ اسلوب) ۱۹۶۲ء۔ ص: ۲۳۵

(۲۱) سبزواری: لسانی مسائل۔ ص: ۲۳۳

(۲۲) سبزواری: لسانی مسائل۔ ص: ۲۳۷

(۲۳) ماہنامہ قومی زبان۔ کراچی۔ جون ۱۹۶۵۔ ص: ۱۵

باب دوم

عربی زبان ایک تعارف

عربی سامی زبان ہے۔ سامی زبانیں سام ابن نوح علیہ السلام سے منسوب ہیں جو ان تمام قوموں کے جدّ اعلیٰ ہیں۔ جو اس وقت سامی زبانیں بولتی ہیں۔ اصطلاح میں ان زبانوں کے بولنے والوں کا مسکن نیل وفرات کے مابین کا علاقہ جزیرۂ عرب اور شام ہے۔ جو مشرق میں علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔

سامیوں کا اصل وطن بابل تھا۔ اور مصری تمدن اور بابلی تہذیب ہم عصر تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے علم کا تبادلہ کیا۔ ﴿۱﴾

جرجی زیدان لکھتے ہیں:

"وقد تعاصر البابليون والمصريون وتبادلوا المعارف"

بابل کی تہذیب وتمدن کا شمار دنیا کے قدیم شاندار تمدنوں میں ہوتا ہے۔ لیکن مملکت بابل سے قبل سمیری اور اکادی اقوام بھی بابلیوں سے کچھ کم تہذیب یافتہ نہ تھیں۔ ان دونوں قوموں نے بابل کی تہذیب کی نشوونما میں حصہ لیا۔ لیکن سیاسی معرکہ آرائیوں کے نتیجے میں بالآخر سمیریوں پر سامیوں کا غلبہ مسلم ہوگیا۔ سامیوں کی کامیابی کی اصل وجہ یہ تھی کہ سامی اقوام کا گہوارہ عرب کے قریب ہی تھا۔ وہاں سے بدوی قبائل موج در موج وادی فرات پر حملہ آور ہوتے رہتے اور ان زرخیز علاقوں میں آ کر آباد ہو جاتے تھے۔ سامی اقوام وادی فرات پر کتنا عرصہ اور کب سے غالب رہیں اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ تاہم عراق سے دریافت ہونے والے آثار میں کچھ تختیاں اور کندہ کیے ہوئے پتھر ملے ہیں۔ جن سے معلوم ہوا ہے کہ بعض سامی بادشاہوں کی حکومت

چالیس صدیوں سے بھی زیادہ قائم رہی ہے۔ انہی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ورجینا تھا۔ جو علم وادب اور علماء کا دلدادہ تھا۔ اس نے عراق کے شہر ورکاء میں ایک کتب خانہ تعمیر کیا۔ جواب تک کے اکتشافات کے مطابق دنیا کا قدیم ترین کتب خانہ ہے۔ اس شہر کو اس نے مدینۃ الکتب قرار دیا۔ اور سرکاری طور پر اہل علم کو قدیم وجدید کتب کی فراہمی پر مامور کیا۔ اور کچھ لوگوں کو ترجمہ کی مہم پر لگایا کہ وہ دنیا کے دیگر ممالک کے علوم کو اپنی زبان میں منتقل کر دیں۔ چنانچہ ورکاء کی یہ لائبریری لغت، فلکیات، قانون اور ادب وغیرہ کے موضوعات پر کتابوں سے بھر گئی۔ ﴿۲﴾

اسی طرح اس عہد کے علمی آثار میں زمانے کی دست و برد سے محفوظ رہ جانے والا سب سے پرانا صحیفہ حمورابی کا قانون ہے۔ جس کی تدوین اٹھارویں صدی قبل میلاد ہوئی۔ جرجی زیدان نے اپنی کتاب ''العرب قبل الاسلام'' میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حمورابی کی قائم کردہ مملکت عربوں کی قدیم ترین مملکت تھی۔

قد رجحنا فی کتابنا "العرب قبل الاسلام" ان دولۃ حمورابی عربیۃ، و انها اقدم دول العرب۔ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۳)

اس لحاظ سے دنیا کا سب سے قدیم کامل علمی نسخہ عربی الفکر ہے۔ حمورابی کا یہ قانون بلاد سوس میں مسماری حروف کے ساتھ ایک سخت چٹان پر لکھا ہوا ملا ہے۔ یہ اٹھارویں صدی قبل مسیح یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے بھی تین چار صدی پہلے مرتب کیا گیا۔ یہ قانون ۲۸۱ دفعات پر مشتمل ہے۔ جن کا تعلق سوسائٹی کے مختلف طبقات، عورتوں کے حقوق و واجبات ا۔ شادی میراث وغیرہ سے ہے۔ نسخہ کے عربی الفکر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ سلطنت حمورابی سلطنت اسلامی کی طرح عربی تھی۔ اور اس کی لغت قرآنی لغت تھی۔ اور ان کی عمارات قریش کی طرح تھیں۔ کیونکہ دونوں سلطنتوں کے درمیان ۲۵ صدیوں کا فاصلہ ہے اور قومیں ان کی عادات اور زبانیں، زمانوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ حمورابی اور عمالقۂ عراق کی اس قدیم تاریخ سے اتنی روشنی ضرور پڑتی ہے کہ ان کی مدنیت اور ثقافت اور علم وادب صرف نیل وفرات تک محدود نہ تھی۔ بلکہ ان کی تہذیبی یلغار ...ن...یہ...ور حجاز تک تھی۔

عربی زبان

عصر اسلامی سے قبل کا دور عصر جاہلی کہلاتا ہے۔ پھر عصر جاہلی دو ادوار پر مشتمل ہے۔
جاہلیت اولیٰ۔ جاہلیت ثانیہ۔

جاہلیت اولیٰ

یہ عہد جاہلیت قدیمہ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اس کی وسعت تاریخ میں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے۔

جاہلیت ثانیہ

یہ عہد دو صدی قبل اسلام شروع ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ عربی زبان کی تاریخ کا آغاز بھی اسی عہد سے ہوتا ہے۔ جب جاہلی شاعری کے نمونے ہمارے ہاتھ آئے ہیں۔ گویا اس زبان کی تاریخ اس وقت سے ملنا شروع ہوئی جو اس کے عین شباب و ترقی کا زمانہ ہے۔ البتہ جاہلیت اولیٰ کے عہد کے متعلق حاصل ہونے والی معلومات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عربی سامی زبان ہے۔ سامی اقوام جب وسیع خطہ زمین میں نیل وفرات اور عرب کے مابین شمالاً جنوباً پھیل گئیں تو مختلف قوموں کے صدیوں کے تعامل اور مختلف عادات کی بناء پر سامی زبانوں کے کئی خاندان وجود میں آئے۔
سامی زبانوں کا احاطہ کرنے کی غرض سے انہیں پانچ گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- اکادی بابلی اور آشوری زبانوں کا خاندان
- آرامی زبانوں کا خاندان
- کنعانی زبانوں (فنیقی، عبری وغیرہ) کا خاندان
- حبشی زبانوں کا خاندان
- عربی زبانوں کا خاندان ﴿۳﴾

اطراف وجہات کے اعتبار سے سامی زبانوں کی تین قسمیں ہیں۔

جنوبی

جس میں دو زبانیں ہیں۔ عربی اور حبشی۔ عربی زندہ اور علمی زبان ہے۔ حبشی زندہ اور غیر علمی زبان ہے۔

وسطی

❁ **عبرانی**

جواب زندہ کر لی گئی ہے۔ علمی زبان ہے۔

❁ **نبطی**

جواب مردہ ہے۔ غیر علمی زبان تھی۔

❁ **تدمری**

مردہ ہے۔ غیر علمی زبان تھی۔

❁ **شمالی**

شمالی زبانوں میں۔ آرامی۔ مردہ ہے اور غیر علمی زبان تھی۔

❁ **کلدانی**

مردہ ہے۔ اور غیر علمی زبان تھی۔

❁ **سریانی**

مردہ ہے۔ اور علمی زبان تھی۔ ﴿۴﴾

ہمارا موضوعِ سخن پانچواں خاندان یعنی عربی زبانوں کا خاندان ہے۔ جاہلیت اولیٰ، یعنی جاہلیت قدیمہ میں عربی زبان کی کیا حالت تھی۔ اس بارے میں محققین نے حقائق سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا ذریعہ علم یمن میں پائے جانے والے معابد، ستون، فصیلیں، برج

اور قلعے ہیں۔ جن پر منقوش عربی عبارات اس زبان کی ابتدائی تاریخ کا پتا دیتی ہیں۔ اس قسم کی عبارتوں سے عربی کے تین قدیم لہجات کا پتہ چلا ہے۔

جنوبی عربی لہجات

اس سے مراد تقریباً دو ہزار قبل مسیح کا وہ جنوبی عربی لہجہ ہے جو جنوب کی سلطنتوں میں مستعمل تھا۔ ان میں مشہور سلطنتیں، معین سبا اور حضر موت وغیرہ تھیں۔ یہ لہجہ ان سلطنتوں کی نسبت سے قتبانیہ، معینیہ، سبیئہ اور حمیریہ کہلاتا تھا۔

استاذ اغناطیوس الغویدی لکھتے ہیں:

"إعلم ان معرفتنا للسان الذی کان اھل جزیرة العرب الجنوبیة یتکلم به قبل الاسلام انما ھی النقوش و کان ھذا اللسان یشمل لھجات شتی ای المعینیة و السبیئة و القتبانیة و الاوسانیة والحضرمیة وغیرھا۔ ﴿۵﴾

حروف الهجاء (على ترتيب الابجد)

العربي الجنوبي	العربي الشمالي	الاورباوي
𐩱	ا	ʾ
𐩨 𐩨 (١)	ب	b
𐩴	ج	g
𐩵	د	d
𐩹	ذ	ḏ
𐩠 𐩠	ه	h
𐩥	و	w (u, ū)
𐩸	ز	z
𐩢 𐩢	ح	ḥ
𐩷	ط	ṭ
𐩭	خ	ḫ
𐩼 (١) 𐩼 (١) 𐩼	ظ	ẓ
𐩺	ي	y (i, ī)
𐩫	ك	k
𐩡	ل	l
𐩣 𐩣 (١)	م	m
𐩬	ن	n
𐩪 (٢)	. . .	s
𐩲	ع	ʿ
𐩶	غ	ġ
𐩰	ف	f
𐩮 𐩮 (١)	ص	ṣ
𐩳	ض	ḍ
𐩤	ق	q
𐩧 𐩧 (١)	ر	r
𐩯	س	ś
𐩦 𐩦 (١) 𐩦 (١)	ش	š
𐩩	ت	t
𐩻	ث	ṯ

(١) هذه الصورة ترد غالبا في النقوش الحديثة

(٢) ليس لهذا الحرف مقابل في الحروف العربية والسين يقوم مقامه

شمالی عربی لہجات

یہ لہجہ اپنے الفاظ اور قواعد میں جنوبی لہجے سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں تک کہ بعض عباسی لغویین نے کہا:

ما لسان حمیر بلساننا

حمیر کی زبان ہماری زبان نہیں ہے۔ (ابو عمرو بن العلا)

اس سے مراد یہی شمالی عربی لہجہ ہے۔ اس لہجہ کا اور جنوبی لہجہ کا خط مسند جنوبی کے نام سے معروف ہے جو ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ خط نسخ کی شکل اختیار کر گیا۔ شمالی لہجے کے منقوش آثار شمالی حجاز میں ثمود کے ان مکانات سے ملے ہیں جہاں وہ آٹھویں صدی قبل مسیح سکونت پذیر تھے۔ جنوبی دمشق میں حوران کے مقام صفا میں بھی اس لہجے کی منقوش عبارتیں ملی ہیں۔ ان مقامات کی مناسبت سے یہ لہجے ثمودیہ، لحیانیہ۔ اور صفویہ کہلائے۔ شمالی لہجے کے یہ منقوش آثار ایسی لغوی اور نحوی خصوصیات پر دلالت کرتے ہیں۔ جن سے عربی زبان کے امرؤالقیس کی زبان بننے تک کے ارتقاء اور لسانی تغیرات پر روشنی پڑتی ہے۔

نبطی عربی لہجے

لہجوں کا یہ تیسرا گروہ آرامی نبطی خط میں لکھا جاتا تھا اس لہجہ کے منقوش آثار پچھلے دونوں لہجوں کی نسبت بعد کے ہیں۔ سب سے قدیم نقش تیسری صدی عیسوی کا ہے۔ اور یہ معروف ہے کہ نبطیوں نے چوتھی صدی قبل مسیح میں لحانیوں کو تباہ کر کے شمالی حجاز میں اپنی سلطنت بنالی تھی۔ جس کا مرکز بتراء تھا۔ اس لہجہ کے منقوش آثار میں نقش ام الجمال ۲۷۰ میں حوران (شام) سے ملا۔ نقش نمارہ وزبد (۵۱۱ء) حلب کے جنوب مشرق سے ملا۔ اور نقش حران اللجا ۵۶۸ء جنوبی دمشق سے ملا۔ ﴿۶﴾

بعد کے ادوار میں جنوبی عرب اور شمالی عرب مختلف سیاسی اسباب کی بناء پر ایک دوسرے

کے قریب آتے رہے اور مکہ ان ہزیمت خوردہ کمزور سلطنتوں کا مرجع اور ان کے تمام تجارتی قافلوں کا مرکز بن گیا۔ بطور نمونہ امرؤالقیس کی قبر پر نبطی عربی خط ملاحظہ ہو۔

ترجمہ:

یہ قبر امرؤالقیس بن عمرو شاہ عرب کی ہے۔ جس نے تاج پہنا۔ اور قبیلہ اسد و نزار اور ان کے بادشاہوں کو زیر کیا۔ اور مذحج کو آخر وقت شکست دی اور فتح اسے نجران کی فصیلوں تک لے آئی۔ اس نے قبیلہ معد کو زیر کیا اور اپنے بیٹوں کو قبائل پر حاکم بنایا اور اہل فارس و روم کے پاس ان کی نیابت کے لئے گیا۔ لیکن بادشاہ نے اس کے مقصد کو پورا نہ کیا اور وہ آج کے دن ۲۲۳۔ ۷ ستمبر کو انتقال کر گیا۔

عربی زبان کی خصوصیات

کسی بھی زبان کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مرور زمانہ سے، دیگر اقوام کے ساتھ اختلاط، کسی کے نئے مذہب کی انقلابی قوت، کسی فلسفی کے افکار، کسی سپہ سالار کی عسکری فتوحات یا مختلف سیاسی و اجتماعی عوامل کی بناء پر وہ زبان تغیر و تبدل کے غیر محسوس عمل سے گزرتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک عہد میں آ کر ایسا روپ اختیار کر لیتی ہے جو اس کے ماضی کے روپ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ عربی زبان بھی انہی مختلف احوال سے گزری ہے۔ اس کے احیاء و ارتقاء اور دوسری زبانوں سے اخذ کا زمانہ دو صدی قبل اسلام کا ہے۔ جب اہل حبشہ اور اہل فارس یمن اور حجاز پر متصرف ہوئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے پانچ عیسوی کو یمن کے عیسائیوں کو زبردستی یہودی بنانا چاہا۔ جب انہوں نے مزاحمت کی تو اس نے

قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ چنانچہ انہوں نے حبشیوں سے مدد چاہی۔ حبشیوں نے مدد کی درخواست قبول کرتے ہوئے یمن پر حملہ کر دیا اور اسے اپنی کالونی بنالیا۔ ستر سال کے تسلط کے بعد یمنیوں نے کسریٰ انوشیرواں کی مدد سے حبشیوں کو یمن سے نکال باہر کیا۔ اس ستر سالہ دور میں حبشیوں کے حجاز کے ساتھ گہرے روابط رہے اور انہوں نے پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں مکہ فتح کرنے کی ناکام کوشش بھی کی۔ تاریخ میں یہ سال عام الفیل اور یہ واقعہ اصحاب الفیل کے نام سے مشہور ہے۔ اہل فارس کے یمن پر قابض ہونے کے بعد وہاں کے باشندوں سے گہرے روابط قائم ہوئے۔ شادی بیاہ، تجارتی قافلوں کی آمدورفت ان تعلقات کے نمایاں پہلو ہیں۔ عربی زبان کے ارتقاء پر بھی اس صورت حال کا گہرا اثر پڑا۔ چنانچہ اس کے الفاظ نحت، ابدال اور قلب کے اصولوں کے تحت بدلتے رہے۔ مختلف زبانوں کے عجمی الفاظ بھی اس میں داخل ہوئے۔

ظہور اسلام کے وقت کی عربی زبان لغت حجاز ہے۔ اس سے پہلے کی زبان قبائل کے حوالہ سے پہچانی جاتی تھی۔ تمیم، ربیعہ، مضر، قیس، ہذیل، قضاعہ وغیرہ کے لہجات، الفاظ، تراکیب اور صوتی ادائیگی کے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے سے بڑی حد تک مختلف تھے۔ مثلاً قضاعہ قبیلہ کا عججہ یعنی مشددی یا وہ ی جس کے ماقبل عین ہو اسے ج سے بدل دینا۔ مثلاً راعی کو "راعج" بولنا۔ قبیلہ حمیر کا طمطمانیہ، یعنی ال کی جگہ ام بولنا جیسے البر کو "امبر" اور الصیام کو امصیام کہنا۔ قبیلہ ہذیل کا فخفحہ یعنی ح کی جگہ ع ادا کرنا مثلاً احل اللّٰہ الحلال کی جگہ "اعل اللّٰہ العلال" کہنا۔ قبیلہ تمیم کا عنعنہ یعنی کسی لفظ کے شروع ھمزہ کو ع سے بدلنا مثلاً امان کو "عمان" کہنا۔ قبیلہ اسد کا کشکشہ مونث مخاطب کے "ک" کو ش سے بدل دینا مثلاً علیك کو "علیش" کہنا، قبیلہ طی کا قطعہ یعنی کسی لفظ کے آخر کو حذف کر دینا جیسے یا ابا الحسن کو "یا ابا لحسا" کہنا، نمایاں لسانی اختلافات ہیں۔ ﴿۷﴾

قبائل کا یہ لہجاتی اختلاف جنوب میں حمیری سلطنت کے خاتمہ، قحطانیوں کے مقابلہ میں عدنانیوں کے عروج، عربوں کے ادبی اسواق (بازار) اور حج بیت اللّٰہ کی وجہ سے کم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ نزول قرآن کے وقت قریش کی زبان عربی مبین کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ اور اس

زبان کو دوسری تمام زبانوں پر برتری حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے بعد قبائل کے لہجات اہل عرب کی مقامی بولیوں (اللغہ العامیہ یا الدارجہ) کی طرف منتقل ہو گئے۔ اور رابطہ کی علمی و فصیح زبان پورے عالم عرب و غیر عرب کے لیے ایک اور صرف ایک قرار پائی۔ عربی زبان کی اشاعت اسلام کی عالمگیر انقلابی دعوت کے سر ہے۔ ایمان لانے کے بعد عرب کے بادیہ نشین پرچم اسلام کے سایہ میں چار دانگ عالم میں پھیل گئے۔ چین کی دیوار، مصر کے اہرام، افریقہ کے صحرا اور اندلس کے دریا، ان کے نظریہ کی عظمت تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے۔ جہاں انہیں سیاسی غلبہ حاصل ہوا وہیں ان کی زبان بھی مقامی زبانوں کو مفتوح کر کے غالب آتی چلی گئی۔ ایران کی پہلوی، شام کی سریانی، مصر کی قبطی، افریقہ کی بربری اور اندلس کی اسپینی زبانوں نے اس زبان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بقول سیّد سلیمان ندوی، کیفیت یہ ہوئی کہ:

"سندھ کے کناروں سے اٹلانٹک کے ساحل تک ایک زبان تھی جو ساری دنیا پر حکمرانی کر رہی تھی اور وہ قرآن کی زبان تھی"۔ ﴿۸﴾

زبانوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اختلاط، مزاحمت اور انقلاب برداشت نہیں کرتیں فنا ہو جاتی ہیں یا اپنی ہیئت اور اصلیت کھو بیٹھتی ہیں۔ یا پرانا چولا بدل کر نیا چولا پہن لیتی ہیں۔ جس سے ان کی قدیم پہچان تک مشکل ہو جاتی ہے۔ جس طرح زندہ قوم وہ ہے جو ہمیشہ انقلابات کا مقابلہ کرے۔ اس طرح زندہ زبان وہ ہے جو انقلابات و تغیرات کا ہمیشہ مقابلہ کرے اور ہر دور کی ضروریات پورا کرتی رہے۔ عربی زبان انہی معنوں میں زندہ زبان ہے۔

سیّد صاحب لکھتے ہیں:

"عربی زبان امتحانات میں کامیاب رہی۔ اور آئندہ بھی کامیاب رہے گی۔ عہد جاہلیت میں اس کا یونانی، لاطینی، حبشی اور فارسی سے دوستانہ اختلاط رہا اور نہ مٹی، عہد اسلام میں اس کو دنیا کی تمام زبانوں سے فاتحانہ مقابلہ کرنا پڑا اور کامیاب رہی۔ موجودہ زمانہ میں پھر اپنی ہمسایہ زبانوں سے اور یورپین کی تمام زبانوں سے مفتوحانہ مقابلہ کر رہی ہے۔ اور زندہ ہے۔ دوسری زبانوں کی حالت پر غور کرو۔ آریہ ورت کی الہامی زبان، سنسکرت کا کیا حال ہے۔ یہودیوں کی

مقدس زبان عبرانی کا کیا حشر ہوا، مسیحیت یا رومۃ الکبریٰ کی لاطینی زبان کہاں دفن ہے۔ مجوسیت یا فارسی کی ژندی زبانیں کیا ہوئیں۔ فراعنہ مصر کی قبطی زبان اور بابل ونینوا، شام اور فنیشیا کی کلدانی، اشوری، سریانی اور فنیقی وغیرہ زبانیں کہاں ہیں۔ ہومر کی یونانی زبان کو اب کون بولتا ہے۔ یہ تمام زبانیں عظیم الشان مذاہب باجبروت اقوام اور وسیع الحدود حکومتوں کی زبانیں تھیں۔ لیکن آج دنیا کے کان اور دنیا کی زبانیں ان سے نامانوس ہیں'' ۔﴿۹﴾

سیّد صاحب کے زبانوں کے تغیرات کے اس تجزیہ سے عربی زبان کی سخت جانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک قرآن زندہ ہے عربی زبان زندہ رہے گی۔ اور اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم قیامت تک انسانی ہدایت کے لیے نازل کردہ صحیفہ ہے۔ اس کی زبان نے ہر عہد میں تمدنی ضروریات کو پورا کیا۔ یونانی، سریانی، قبطی، سنسکرت اور فارسی زبانوں کے علوم وفنون اور اصطلاحات کے بار گراں کو آسانی سے اٹھالیا۔ موجودہ سائنسی عہد میں بھی اس نے پیٹھ نہ پھیری۔ بلکہ بڑی جرأت سے سائنسی ضروریات کا ساتھ دے رہی ہے۔ اس وقت اقوام متحدہ کی پانچویں زبان ہے۔

اس زبان کی نمایاں خصوصیات میں پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اعرابی زبان ہے۔

الاعراب

اعراب سے مراد کلمات کے اواخر کا زیر، زبر، پیش اور سکون میں مختلف عامل حروف لگنے سے تبدیل ہونا ہے۔ جیسے یکتب سے لن یکتبَ کیونکہ لن نصب کے عوامل میں سے ہے۔ یا لفظ القلم کا میم جملہ اکتب بالقلمِ میں مجرور ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ب حرف جرّ ہے اور اس کے بعد اسم مجرور ہوگا۔ یا لَمْ یَکْتُبْ میں لم کی وجہ سے مجزوم ہے۔ کیونکہ لم جزم کے عوامل میں سے ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ مدوّرَۃٌ میں الارضَ منصوب ہے۔ کیونکہ یہ اِنَّ کا اسم ہے۔ کَانَ الرّجلُ حاضرًا میں الرّجلُ مرفوع ہے کیونکہ یہ کان کا اسم ہے اور حاضرًا منصوب ہے کیونکہ یہ کان کی خبر ہے۔

اعراب قدیم تمدن کی زبانوں کی خصوصیت ہے۔ مثلاً عربی کے علاوہ آشوری، یونانی لاتینی اور سنسکرت معرب زبانیں تھیں۔ لیکن انہی زبانوں سے نکلنے والی زبانیں اعراب سے مستغنی ہوگئیں۔ مثلاً یورپ میں لاطینی سے نکلنے والی زبانیں، یا ہندوستان میں سنسکرت سے نکلنے والی زبانیں غیر معرب ہوگئیں۔ یہی حال بابلی زبان کی شاخوں سریانی اور کلدانی کا ہوا۔

جرجی زیدان قدیم سامی زبانوں کی اکثریت کا اعرابی ہونے سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ لغت بابلی آشوری اور عربی زبان دونوں اعرابی ہیں۔ یہیں سے عربوں اور حمورابیوں کی وحدت کا سراغ ملتا ہے کہ پہلے یہ دونوں قومیں ایک تھیں۔ اور ایک ہی معرب زبان بولتی تھیں۔ پھر حمورابی متمدن ہوگئے اور عمالقہ عرب بادیہ نشین ہوگئے۔ لیکن جب حمورابی عیش و آرام طلبی میں پڑ گئے تو ان کی زبان سے اعراب رخصت ہوگیا۔ اور سریانی و کلدانی کی شکل میں نئی غیر معرب زبانیں وجود میں آئیں۔ جب کہ عرب اپنی اصلی حالت پر رہے۔ اور ان کی زبان اعرابی رہی۔ ﴿۱۰﴾

تاریخی نقطہ نظر سے جرجی زیدان کا یہ نظریہ دور از کار ہے۔ کیونکہ حمورابی کی بابلی سلطنت اور عربی بولنے والی ماقبل اسلام چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے درمیان ۲۵ صدیوں سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ اس عرصہ میں سامی زبانیں تغیر و تبدل کے اتنے مراحل سے گزری ہوں گی کہ ان کی شکلیں کچھ سے کچھ ہوگئی ہوں گی۔

نزاکت تعبیر

عربی زبان کی دوسری خصوصیت نزاکت تعبیر ہے۔ یہاں معانی الفاظ کی قلت کی شکایت کرتے نظر نہیں آتے۔ نہ صرف ہر معنی کے لیے ایک خاص لفظ ہے۔ بلکہ معنی کی ہر شاخ، ہر خبر اور ہر سایہ معنی کے لیے الگ لفظ ہے۔ مثلاً دن کی مختلف گھڑیوں کے لیے بطور مثال کچھ الفاظ ملاحظہ ہو۔

البزوغ، الضحی، الغزالہ، الھاجرہ، الزوال، العصر، الاصیل، الحدود، الغروب،

یا البکور، الشروق، الضحی، المتوع وغیرہ

اسی طرح چاندنی راتوں میں سے ہر رات کا الگ نام ہے۔ سر کے بالوں کی مختلف شکلوں کے الگ نام ہیں۔ سر کے بالوں کو شعر کہتے ہیں۔ بالوں کے بڑے حصے کو فروۃ کہتے ہیں۔ اگلے حصے کے بالوں کو ناصیہ کہتے ہیں۔ پچھلے حصے کے بالوں کو ذؤابۃ کہتے ہیں۔ اسی طرح فعلی معنی کے ہر تنوع کو ظاہر کرنے کے لیے مختلف الفاظ ہیں۔ فعل نَظَرَ (دیکھنے) کی مختلف کیفیات کے اظہار کے لیے متعدد الفاظ ملتے ہیں۔ جیسے۔ رمق، لمح، حدج، شفن، توضح، رنا، استشف وغیرہ۔

تجرید معنی اور انسانی جذبات کی ترجمانی کے نقطہ نظر سے عربی زبان غالباً دنیا کی سب سے زیادہ مالدار زبان ہے۔ محبت کی کیفیات کے لیے بیسیوں الفاظ ہیں۔ اور اسی طرح بغض، حسد، کینہ وغیرہ کے لیے کئی کئی الفاظ ہیں۔ انفعال میں نزاکت تعبیر کی بہترین مثال مزید فیہ کے افعال ہیں کہ جن میں مشارکت کے صیغے جو دوسری زبانوں میں کئی الفاظ کے محتاج ہیں۔ عربی میں صرف ایک لفظ سے ادا ہوتے ہیں جیسے تقاتلوا وہ سب مرد آپس میں لڑ پڑے۔ تحاسدوا، ان سب مردوں نے ایک دوسرے سے حسد کیا۔

اعجاز وایجاز

عربی زبان کی تیسری خصوصیت اعجاز وایجاز ہے۔ یعنی مختصر الفاظ سے کثیر معانی پر دلالت کی جاتی ہے۔ اہل عرب دوسروں کے مقابلے میں اس خصوصیت زبان پر بھی زیادہ قادر تھے۔ عربی شاعری اس کی واضح مثال ہے۔ بدیع کے اسالیب، مجاز وکنایہ، استعارات وغیرہ سے خوب کام لیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث، امثال کی کتابیں اور دیگر ادبی مصادر اس خصوصیت کے واضح دلائل ہیں۔

مترادفات واضداد

ترادف یعنی ایک معنی کے لیے کئی الفاظ کی موجودگی۔ اہل عرب اس لسانی خصوصیت میں بھی تمام اقوام سے بازی لے گئے ہیں۔ مثلاً سال کے، روشنی وتاریکی کے، سورج اور بادلوں کے بیسیوں نام ہیں۔ جب کہ شراب، شیر اور اونٹنی کے سینکڑوں نام ہیں۔

اسی طرح اضداد کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ مثلاً:

بَاعَ	خریدنا	بیچنا
جَوْن	سیاہ	سفید
قِسْط	انصاف	ظلم
جَلَل	عظیم	حقیر

اس موضوع پر علمائے لغت کی مستقل تصانیف ملاحظہ ہوں۔ ﴿۱۱﴾

تعدد معانی

کثرت ترادف اور تعدّد معانی کی وجہ سے عربی زبان اپنے اندر اظہار کی بے کران وسعتیں لیے ہوئے ہے۔ اسی خصوصیت کی بناء پر اس زبان میں سجع نہایت آسان ہوگئی۔ اس زبان کا عہد جاہلی میں نمونہ کاہنوں کی زبان اور عہد اسلامی میں خطباء کی زبان ہے۔ کثرت ترادف کی بناء پر ہی غیر منقوط نویسی کا رواج ہوا۔ مقالات حریری کے اٹھائیسویں (۲۸) مقامہ میں سمرقندیہ ایسا خطبہ ہے جس کے کسی حرف پر نقطہ نہیں ہے۔ چھٹے مقامہ المراعیہ کے ایک خط میں ایک منقوط اور دوسرے غیر منقوطہ لفظ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ﴿۱۲﴾

فیضی کی تفسیر سواطع الالہام بھی غیر منقوط نویسی کی مثال ہے۔ البیان و التبیین میں واصل بن عطا کا خطبہ ہے۔ ﴿۱۳﴾

جس میں کہیں حرف ''را'' نہیں آیا۔ ادب کی ان مشکل صنعتوں کا ساتھ عربی زبان ہی دے سکی۔ اردو زبان میں اس قسم کی جو کوششیں ہوئی وہ عربی کی مرہون منت ہیں۔

الامثال

امثال سے مراد وہ بلیغ سبق آموز کلام ہے جو انسان کی عقل سلیم کے طویل تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے۔

ابو عبید نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"الامثال من حکمة العرب فی الجاهلية والاسلام فتجتمع لها ثلاث خلال ایجاز اللفظ اصابة المعنی، حسن التشبيه۔ ﴿۱۴﴾

امثال، جاہلی اور اسلامی عہد میں اہل عرب کے حکیمانہ اقوال ہیں۔ جن کی تین خصوصیات ہیں۔

مختصر الفاظ، دل میں اتر جانے والا معنی، اور تشبیہ کا حسن۔

اس طرح کی امثال اہل عرب میں زبان زد عام تھیں اور وہ انہیں بغیر کسی تصریح کے بلا تکلف اپنی گفتگو، اپنے اشعار میں استعمال کرتے۔ چنانچہ بعض شعرا نے امثال پر مشتمل قصیدے کہے۔ مثلاً ابو العتاھیۃ کا ایک ارجوزہ جس میں چار ہزار امثال نظم کی گئی ہیں۔ صاحب اغانی نے نمونہ کے طور پر کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔ ﴿۱۵﴾

اہل عرب کے ہاں امثال دو طرح کی ہیں۔

- حکیمانہ امثال۔ جیسے اَلْجَارُ قَبْلَ الدَّارِ یا اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ یا اَلْخَطَأُ زَادُ الْعَجُوْلِ وغیرہ۔
- وہ امثال جو کسی خاص واقعہ کے ساتھ وابستہ ہوں۔ جیسے قَطَعَتْ جَهِيْزَة قَوْلَ كُلِّ خَطِيْبٍ جھیزہ نے ہر خطیب کی زبان بند کر دی۔ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص مجمع پر چھا جائے۔ رَجَعَ بِخُفَّيْ حُنَيْنٍ۔

وہ حنین کے جوتوں کے ساتھ لوٹا۔ کسی مہم میں ناکامی کی شکل میں یہ مثل بولی جاتی ہے۔

جمع الامثال

عربوں نے جمع امثال کے میدان میں بھی قابل قدر کام کیا ہے۔ سب سے پہلے عبید بن شربہ الجرھمی، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا۔ پچاس اوراق پر مشتمل ایک کتاب پہلی صدی ہجری کے اواخر میں لکھی۔ ﴿۱۶﴾

اس کے بعد بصرہ وکوفہ کے ادبا نے جمع امثال پر نمایاں کام کیا ہے۔ صحار العبدی، یونس النحوی متوفی ۱۸۲ھ ابوعبید ۲۱۱ھ، ثعلب ۲۹۱ ابوعبید القاسم بن سلام ۲۲۳ھ المفضل الضبی۔ ابو ہلال العسکری، محمد بن زیاد، محمد حبیب البغدادی اور حمزہ اصفہانی قابل ذکر نام ہیں۔ اب ان مؤلفین کی صرف چند کتابیں ملتی ہیں۔

کتاب الامثال

ابو عبید قاسم بن سلام۔ امثال العرب، المفضل الضبی، جمهرة الامثال، ابو هلال العسکری۔ ﴿۱۷﴾

اس کے بعد ان کتب کی شرحیں لکھی گئیں اور بعد کے عہد میں پیدا ہونے والی امثال کا اضافہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں زمخشری کی المستقصی متوفی ۵۳۸ھ میدانی کی مجمع الامثال متوفی ۵۱۸ھ قابل ذکر ہیں۔ خاص طور پر میدانی کی مجمع الامثال اپنی مثال آپ ہے۔ مؤلف نے تقریباً ۵۰ کتابوں سے امثال جمع کر کے ان کو معجمی ترتیب سے جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ ﴿۱۸﴾

معانی کی بہترین صوتی ترجمان

عربی زبان کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی صوتیات انسانی جذبات کی بہترین ترجمان ہیں۔ گویا صوت ومعنی میں کامل ہم آہنگی ہے۔ یہ نظریہ جو (Sound Symbolism) کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اور جس سے مراد یہ ہے کہ زبان میں اصوات

ایک تعبیری قیمت رکھتی ہیں۔ اور ہر صوت کا اپنے مدلول کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ﴿۱۹﴾

عربوں میں ابن جنی نے اپنی کتاب ''الخصائص'' میں باب باندھا ہے۔ باب فی تصاقب الالفاظ تصاقب للمعانی ﴿۲۰﴾۔ (الفاظ کے طمطراق میں معانی کے طمطراق کا باب) عربی کی اسی خصوصیت کی بناء پر بہت سے اہل علم کا ذہن اس طرف منتقل ہوا۔ کہ عربی امّ الالسنہ ہے۔ کیونکہ عربی زبان نے ابتدائی آوازوں کو صرف محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ وہ ان تمام کڑیوں کا بھی پتا دیتی ہے۔ جن کی طرف دنیا کی دوسری قدیم زبانیں کم رہنمائی کرتی ہیں۔

شیر خوار بچہ جب بھوکا ہوتا ہے تو وہ رونے کے ساتھ دودھ پیتے ہوئے بھی ناک سے ایک مبہم آواز نکالتا ہے۔ جسے عربی میں غمغمہ کہتے ہیں۔ یہ شفوی حلقی صوت دودھ کی خواہش کی بہترین ترجمان ہے۔ اس سے ''غمغمة الثور اور غمغمة الابطال'' خوف کے وقت بیل کی آواز اور معرکہ آرائی میں جنگجوؤں کی آواز جیسی تراکیب بنالی گئیں۔ اسی طرح جب بچہ مناغات (غوں غاں) کے مرحلہ سے آگے بڑھتا ہے تو وہ پیاس کے لیے ام۔ ام اور مم جیسے الفاظ ادا کرتا ہے۔ اس سے اُمٌّ اور مَاءٌ جیسے عربی الفاظ وجود میں آئے۔ پیاس کے اظہار کے لیے یہی ''ام'' عربی میں فعل آم کی شکل اختیار کر گیا۔ آم یؤوم سخت پیاسا ہونا۔ اسی سے ''آم الرّجل الی المراۃ'' مرد کو عورت کی پیاس ہوئی۔ جیسے جملوں میں اس فعل کا مجازی استعمال ہوا۔ یہی ام مزید شکلیں بدلتا ہے۔ ''حام الرّجل'' آدمی سرگرداں ہو گیا۔ سخت پیاسا ہوا۔ ''حام الطائر حول الماء'' پرندہ پانی کے گرد (پیاس کی وجہ سے) منڈلایا۔ عامت النحوم فی مَنَازِلِهَا۔ ستاروں نے اپنی منزلوں میں گردش کی۔ اس قسم کا اشتراک لسانی عربی کے بے شمار الفاظ میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات (باب دوم)

(۱) جرجی زیدان: تاریخ آداب اللغة العربية، (دارالہلال مصر)،ص:۴۲

(۲) جرجی زیدان:تاریخ آداب اللغة العربية، ص:۲۰

(۳) جرجی زیدان:تاریخ آداب اللغة العربية ۔ص:۲۹(تعلیقات ڈاکٹر شوقی ضیف)

(۴) ندوی:الدليل على المولّد والدّخيل،(ندوۃ العلما لکھنؤ)۱۹۱۲،ص:۱

(۵) اغناطیوس غویدی: المختصر فی علم اللغة العربية الجنوبية القديمه، (القاھرہ،الجامعۃ المصریۃ)۱۹۳۰،ص:۲

(۶) جرجی زیدان،تاریخ آداب اللغة العربية ۔ص:۳۲

(۷) افتخار احمد اعظمی:مقدمہ تاریخ ادب عربی،(شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)،۱۹۶۱

(۸) ندوی:نقوش سلیمانی،ص:۳۰

(۹) ندوی: الدّليل على المولّد والدّخيل،ص:۳۰

(۱۰) جرجی زیدان:تاریخ آداب اللغة العربية،ص:۵۱

(۱۱) ثلاثه كتب فی الاضداد للاصمعی وللسجستانی ولا بن السكيت (دارالمشرق،لبنان)۱۹۱۲

(۱۲) ابومحمد القاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری مقامات حریری،(مکتبۃ التجاریۃ الکبری) ص:۵۵،۲۸۷

(۱۳) ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ: البیان والتبیین (مصر، مکتبۃ الخانجی)۔۱۹۷۵ء، ص:۱٦۔ج:۱

(۱۴) السیوطی: المزھر فی علوم اللغۃ وانواعھا (مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۲۵)۔ص:۲۸۸۔ج:۱

(۱۵) ابوالفرج الاصبھانی: الاغانی (مصر، دار الشعب) ص:۱۲۵۰۔ج:۴

(۱٦) ابن الندیم: الفھرست (مکتبۃ تجاریۃ الکبری قاہرہ) ص:۱۳۸

(۱۷) احمد امین: فجر الاسلام (قاہرہ، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ) ۱۹۵۵۔ص:٦۴

(۱۸) ابو الفضل احمد بن محمد بن احمد ابراھیم، نیشا پوری المیدانی : مجمع الامثال (مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ)

(۱۹) حنفی بن عیسی : محاضرات فی علم النفس اللغوی (الجزائر، الشرکۃ الوطنیۃ للنشرو التوزیع

(۲۰) ابن جنّی، الخصائص، الجزء الثانی ص:۵۹

باب سوم

اُردو عربی کے تاریخی و تہذیبی روابط

اُردو عربی کے لسانی اشتراک کا جائزہ لیتے ہوئے دونوں زبانوں کے تاریخی و تہذیبی روابط سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں زبانوں کے روابط کو ان تہذیبوں کے باہمی روابط کے پس منظر میں دیکھنا ہوگا، جن سے ان زبانوں کا تعلق ہے۔ عرب و ہند تعلقات اسلام سے بہت پہلے تاجروں اور ملاحوں کے ذریعے شروع ہو گئے تھے گجرات اور اس کے اطراف کے ساحل عربوں کی تجارتی سرگرمیوں کا مرکز تھے۔

سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان کی تمام مصنوعات اور پیداوار انہی سواحل سے عرب کو اور عرب کی راہ سے یورپ تک پہنچتی تھی، اسی بناء پر مسالے اور خوشبودار چیزوں اور کپڑوں کے سنسکرت اور ہندی نام قدیم عربی زبان میں داخل ہو گئے۔ زنجبیل فلفل، صندل، سنسکرت ہی کے الفاظ ہیں۔ ﴿۱﴾

امرؤ القیس اپنے مشہور معلقہ میں کہتا ہے۔ ﴿۲﴾

ترى بعر الآرام في عرصاتها ۔ وقيعا نها كا نه حب فلفل

اذا قامتا تضوّع المسك منهما ۔ نسيم الصبا جاء ت بريا القرنفل

تو سفید ہرنوں کی مینگنیاں میدانوں اور ہموار زمینوں میں یوں دیکھے گا جیسے وہ سیاہ مرچ کے دانے ہوں۔ جب وہ کھڑی ہوئیں اور مشک کی خوشبو ان سے یوں پھیلی جیسے قرنفل کی خوشبو نسیم صبا لے آئی ہو۔

یاد رہے کہ یہ تمام الفاظ موجودہ اردو میں بھی مستعمل ہیں۔ ان الفاظ کے علاوہ عربی

میں بہت سی جڑی بوٹیوں، مسالوں اور تلواروں کے نام اور تجارتی و بحری اصطلاحات ہندی سے آئیں۔

اسی طرح سیّد صاحب ''عرب و ہند کے تعلقات ﴿۳﴾ میں پنڈت سوامی دیانند جی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کوروا اور پانڈو کی لڑائی میں عربی زبان خفیہ بات چیت کا ذریعہ تھی۔ یہ جنگ تیسری صدی قبل مسیح لڑی گئی اور اس کی رزم آرائیاں دو صدی قبل مسیح منظوم ہوئیں۔ ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے باشندے عربی زبان سے آشنا اور عربوں سے مانوس تھے۔ اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ ہندی زبانوں کے اصل رسم الخط براہمی کا رشتہ فینقی تاجروں کے واسطے سے عربی رسم الخط سے جا ملتا ہے۔ دوسرا رسم الخط خروشتی جو شمالی مغربی علاقہ میں رائج تھا اس کی اصل بھی سامی آرامی بتائی جاتی ہے۔ ﴿۴﴾

عرب و ہند تعلقات کا دوسرا دور ۷۱۱ء بمطابق ۹۲ھ محمد بن قاسم کے حملے سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں عربوں کے ہندوستان کے ساتھ باقاعدہ سیاسی روابط استوار ہوئے۔ دیبل سے ملتان تک تمام علاقوں پر مسلم عرب حکومت قائم تھی۔ عرب مسلمانوں کی یہ حکمرانی ڈھائی سو سال سے کچھ اوپر رہی۔ اس عرصہ میں مسلمانوں نے سیاسی، سماجی دینی اور لسانی حوالوں سے یہاں کی تہذیب و تمدن پر گہرے اثرات ڈالے۔ الور اور منصورہ کے علاوہ دیبل ملتان اور قصدار لسانیاتی علوم کا مرکز تھے۔ اس پورے عرصے میں سندھ دو لسانی (Bilingual) رہا۔ بغداد کا سیاح اصطخری ۳۴۰ھ میں سندھ اور ملتان آیا۔ کہتا ہے:

> ''منصورہ (موجودہ بھکر) اور ملتان اور ان کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے۔'' اس کے بعد بغداد کا دوسرا سیاح ابن حوقل جس کی سندھ اور ملتان میں سیاحت کا زمانہ ۳۴۱ھ ہے کہتا ہے:
>
> ''منصورہ اور ملتان اور اس کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے''۔ ﴿۵﴾

اس طرح اس عہد میں سرکاری زبان بھی عربی تھی۔ تیسری صدی ہجری (نویں عیسوی) کے عربی کتبے جو بھنبھور سے برآمد ہوئے، وہ اس کا ثبوت ہیں۔ پہلا اور دوسرا کتبہ علامہ عبدالعزیز

المیمنی کی مدد سے پڑھا گیا۔ اس براہ راست عربی اثر کا مشاہدہ آج بھی سندھی زبان میں جبل، جمل، بصل اور دلو جیسے خالص عربی الفاظ کی موجودگی سے کیا جاسکتا ہے۔ سندھی زبان کا موجودہ رسم الخط بھی سندھی عربی مورتخطی کہلاتا ہے۔ ﴿۶﴾ اور یہاں عربوں کی آمد کے عہد کی یاد تازہ کرتا ہے۔ عربوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی یہاں عربی کا دور دورہ رہا۔ بہت سے عرب خاندان یہاں مستقل آباد ہوگئے اور یہاں کی اکثریت کا اسلام قبول کرنے کی وجہ سے عربی سے نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم ہوگیا۔

تیسرا دور غزنویوں اور سلاطین کا عہد ہے۔ جو چوتھی صدی ہجری کے ربع آخر کی فتوحات سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں ہندوستان میں اسلامی عربی ثقافت کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کے لیے راستہ کھلا۔ روز مرّہ بول چال میں خالص عربی ختم ہوگئی۔ لیکن فارسی بولنے والے فاتحین اور عربی بولنے والے مقامی باشندوں کے اختلاط سے پہلوی اور عربی کی آمیزش سے جدید فارسی وجود میں آئی۔ جس نے شعروانشا مجلسی ادب اور تاریخ نویسی میں اپنی جگہ بنائی۔ اور یوں عربی کے تناور درخت پر فارسی کی بیل منڈھے چڑھنے لگی۔ جب کہ علوم عربیہ اور منقولات کو جو مقام پہلے حاصل تھا وہ اب بھی رہا۔ احمد بن الحسن المیمندی نے جو سلطان محمود غزنوی اور سلطان مسعود کے وزیر تھے، یہ حکم دیا تھا کہ سرکاری تحریروں کی زبان عربی ہو۔ نہ کہ فارسی۔ غزنوی عہد ہی کا مشہور شاعر سعد سلیمان المتوفی ۵۱۵ھ نے جس کا مولد و مسکن لاہور تھا، ایک دیوان عربی کا ایک فارسی کا اور ایک ہندی کا یادگار چھوڑا۔ ﴿۷﴾ ابو العلا عطاء بن یعقوب الغزنوی لاہوری کا بھی ایک دیوان عربی میں اور دوسرا فارسی میں تھا۔ غزنوی عہد ہی میں ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی جو نادرۂ روزگار شخصیت، حکمت ہند کے ماہر اور کئی علوم کا خزینہ تھے، ان کی تمام تصنیفات عربی زبان میں ہیں۔ عربی زبان کی مدح میں ان کا قول ہے:

"الهجو بالعربية احبّ الى من المدح بالفارسية .... اذ لا تصلح هذه اللّغه الا للاخبار الكسروية والاسمار اللّيليّة

عربی میں ہجو مجھے فارسی میں مدح سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ زبان تو کسریٰ کے حالات اور رات کے قصوں کے لیے ہی موزوں ہے۔ البیرونی عربی کے شاعر بھی تھے۔ یاقوت الحموی نے معجم الادباء میں ان کا کلام نقل کیا ہے۔ ﴿۸﴾

فارسی و عربی کا یہ ذوق روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک ترک خاندان جو دہلی میں رہ پڑا تھا۔ اس میں امیر خسرو المتوفی ۷۲۵ھ جیسا ہمہ دان شاعر پیدا ہوا جس نے عربی فارسی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ بھی اور تینوں زبانوں کے مصرعوں یا لفظوں کو ملا کر بھی شاعری کی۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنے دیوان غرۃ الکمال کے خاتمہ پر اس پر فخر کیا۔ ﴿۹﴾

اسی طرح شمالی ہند۔ جہاں اردو پروان چڑھی۔ کے فاتح اور حکمران وہ لوگ تھے جن کی زبان بجائے عربی کے فارسی یا ترکی تھی۔ لیکن عربی اثرات قبول کرنے میں اردو زبان ہندوستان کی زبانوں میں سرفہرست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاتح قوم جو زبان بولتی ہوئی ہندوستان کے اس حصہ میں داخل ہوئی وہ خود عربی سے گراں بار تھی۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب ''فارسی پر عربی کا اثر'' ﴿۱۰﴾۔ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ''مقامات حمیدی، تاریخ اوصاف ظفرنامہ تیموری، تاریخ عالم آرائے عباسی اور درر نادرہ جیسی عربی نواز کتابوں پر تو عربی چھائی ہوئی ہے۔ لیکن شاہنامہ اور نامۂ خسروی جیسی تارکِ عربی کتابوں میں بھی عربی موجود ہے۔ اور بغیر اس کے چارہ نہیں ہے۔ عربی الفاظ کے استعمال کی اس کثرت کے ذمہ دار کچھ تو عرب فاتحین ہیں۔ لیکن زیادہ تو ایرانی ہیں۔ جو خود عربی کے مایہ ناز فاضل اور ادیب ہوئے ہیں''۔

فارسی و عربی کا یہ ملا جلا معاشرہ اردو کی آبیاری اور نشو و نما کا باعث ہوا۔ آج بھی اردو میں کثیر عربی الفاظ۔ فارسی کے توسط سے ہی سہی۔ اس زبان پر عربی کی گہری چھاپ کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد مغلیہ عہد ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک میں اگرچہ فارسی زبان ہماری تہذیبی زندگی کا محرک اور غالب عنصر تھی۔ لیکن فقہ اور منقول و معقول کی تدریس عربی زبان میں ہی ہوئی تھی۔ عربی زبان جاننا معیار ثقافت، و فضیلت تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ انگریزی تہذیب و تمدّن کے تسلط کا زمانہ ہے۔ مگر عربی کی جوئے رواں اس نئے ماحول میں

بھی اپنا راستہ نکالتی رہی۔ برصغیر پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے بے شمار دینی مدارس و مکاتب اس تحریک کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

عربی زبان کے ساتھ ہمارے تعلق کے اس تاریخی جائزہ کے بعد اس زبان سے ہمارے معاشرتی و تہذیبی روابط کسی تفصیل کے محتاج نہیں۔ عربی زبان سے صرف اردو زبان یا مسلم معاشرہ ہی متاثر نہیں ہوا۔ بلکہ ہندوستان کی ہر قوم اور ہر بولی اس زبان سے مستفید ہوئی۔ مذہبی مصطلحات ایمان، رسول، وحی، دعا، صدقات و خیرات وغیرہ بے شمار الفاظ ہیں جو ہندوستان کی ہر بولی میں بعینہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح عہدے اور مالی اصطلاحات عموماً عربی فارسی آمیز ہیں۔ (دیوان، نائب، تحصیلدار وغیرہ) مرہٹی، گجراتی، بنگالی میں معاملات اور مقدمات کے اکثر الفاظ و اصطلاحات عربی فارسی کے ہیں۔ مہاراشٹر میں کسانوں کے سردار (چودھری) کے لیے آج بھی مقدم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ﴿۱۱﴾

جہاں تک ایک مسلم معاشرہ کا تعلق ہے۔ مسلمان کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، بلکہ مرنا جینا تک عربی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایمانیات کے ذیل میں اللہ، وحی، ملائکہ، یوم الآخر اور بعث بعد الموت پر ایمان لاتا ہے۔ ایمان لانے کے بعد کفر، شرک، نفاق، جہالت، بدعت، ممنوعات و منہیات و مکروہات سے بچنا ہے۔ شریعت کے احکام میں فرض، واجب، سنّت، مستحب، مباح اور حلال و حرام کا خیال رکھتا ہے۔ صوم و صلوٰۃ کے ضمن میں استنجاء، طہارت، وضو، تیمم، اذان، اقامت، تکبیر، قرأت، تجوید، تشہد، جماعت، مسبوق، لاحق، سجود، افطار وغیرہ سے واسطہ پڑتا ہے۔ زکوٰۃ کے ذیل میں عاقل، بالغ، نصاب، خمس، عشر، بیت المال جیسے الفاظ استعمال میں آتے ہیں۔ اور حج کی توفیق ہونے کی صورت میں احرام، میقات، افراد، تمتع، قِـران، عمرہ، طواف، سعی، حلق، قصر، دم، رمی وغیرہ کے مسائل سیکھنا ہوتے ہیں۔ صدقات و خیرات میں ذوی القربی، یتامی، مساکین، فقراء وغیرہ کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ روزمرہ زبان زدِ عام کلمات میں بسم اللّٰہ، الحمد للہ، السلام علیکم، وعلیکم السلام، جزاك اللّٰہ، ماشاء اللّٰہ، انشاء اللّٰہ، سبحان اللّٰہ، بارك اللّٰہ، للہ فی اللّٰہ، استغفر اللّٰہ، معاذ اللّٰہ، مرحبا، انا للہ وانا الیہ راجعون

جیسے کلمات وتراکیب استعمال ہوتی ہیں۔غرض یہ کہ دینی حوالہ سے عربی مفردات ہمارا اوڑھنا بچھونا بن جاتے ہیں۔

لسانیاتی نقطہ نظر سے بھی اردو میں مہارت وکمال عربی میں مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔عربی سے غفلت و بے اعتنائی اردو کے جمود پر منتج ہوگی۔

شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

> ''پاکستان میں اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے انگریزی کی جگہ رائج کرنے کے لیے جو کوششیں ہو رہی ہیں، اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ترجمہ یا وضع اصطلاحات کا مسئلہ ہے۔اس مسئلہ کا اگر کوئی حل ہے تو عربی فارسی کی طرف رجوع میں ہے۔اور آج عملاً یہی کچھ ہو رہا ہے۔جدید علوم و فنون کی جتنی انگریزی اصطلاحات ہیں ان کے ترجمے کا مسئلہ یا متبادل الفاظ کی تلاش کا،عربی فارسی کی خوشہ چینی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔مختصر یہ ہے کہ مذہبی ضروریات ہوں یا علمی وادبی، انہیں پورا کرنے کے لیے عربی سے رشتہ قائم رکھنا پہلے بھی ضروری تھا اور آج بھی ضروری ہے''۔﴿۱۲﴾

ترجمہ واصطلاحات سے ہٹ کر عربی ہمارے قدیم اردو لٹریچر کو بھی کما حقہ سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''خود اردو غزل کی نشو ونما اور ارتقاء کو سمجھانے کے لیے عربی کی قابلیت ازبس ضروری ہے''۔

ولی کا بہت مشہور شعر ہے:

مسند گل منزلِ شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

اس شعر کی پاکیزگی اس وقت ظاہر ہوگی جب ہم اس حدیث کا مطالعہ کریں کہ من ختم

لہ بقیام اللّیل ثم مات فلہ الجنۃ ، جس شخص کا خاتمہ قیام لیل پر ہو پھر مر جائے تو اس کے لیے جنّت ہے۔ شعر میں جنت کو مسندگل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

میر کا شعر ہے:

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

اس کو سورۃ زمر کی اس آیت کی روشنی میں پڑھا جائے تو کتنا لطف حاصل ہوگا وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا (اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھی)

مومن کا شعر ہے:

کیوں سنے عرض مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

اس شعر کی تلمیح جب تک نہ سمجھی جائے کوئی لطف پیدا نہیں ہوسکتا۔ آیت ہے:

"امن یجیب المضطر اذا دعاہ"

(خدا کے سوا کون ہے جو مضطر کی دعا کو سنے)

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اردو شعر و ادب جو ہمارے معاشرے کا ایک جزو ہے، عربی سے گہری وابستگی کا تقاضہ کرتا ہے۔ کیونکہ اردو صرف اپنے ذخیرہ الفاظ ہی میں عربی سے مالا مال نہیں، بلکہ اس کا شعری وادبی ذخیرہ بھی عربی تلمیحات واستعارات سے لبریز ہے۔ ﴿۱۳﴾

حواشی وحوالہ جات (باب سوم)

(۱) ندوی: نقوش سلیمانی، ص:۴

(۲) ابوعبداللہ الحسین بن احمد الزوزنی: شَرۡحُ الۡمُعَلقاتِ السَّبۡع (مصر، دار الکتب العربیہ) ۱۹۵۰، ص:۹

(۳) ندوی: عرب و ہند کے تعلقات (الہ آباد ۱۹۳۰) ص:۱۱

(۴) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا: جلد اوّل، ص:۱۴۰ تا ۱۴۲ (سنسکرت)

(۵) بحوالہ ندوی: نقوش سلیمانی، ص:۳۳

(۶) اصلاحی: اردو سندھی کے لسانی روابط، ص:۷۸

(۷) ندوی: نقوش سلیمانی، ص:۲۵۶

(۸) جمیل احمد ڈاکٹر: حَرَکَۃُ التّالیف بِاللُّغَۃِ العَرَبِیّۃِ فِی الاِقۡلِیۡم الشُّمالی الۡھِنۡدِی، ص:۵۲

(۹) ندوی: نقوش سلیمانی ص:۲۵۷

(۱۰) غلام مصطفیٰ خان ڈاکٹر: فارسی پر اردو کا اثر (حیدرآباد، سندھ) ۱۹۶۰۔ ص:۹

(۱۱) ندوی: نقوش سلیمانی، ص:۲۷

(۱۲) اصلاحی: اردو سندھی، کے لسانی روابط، ص:۸۲

(۱۳) مرتب ڈاکٹر حبیب الحق ندوی: پاکستان میں فروغ عربی، (شعبہ عربی جامعہ کراچی) ۱۹۷۵، ص:۱۵۲ (مقالات کا مجموعہ)

ب چہارم

اُردو عربی حروف پر اجمالی نظر

حروف آوازوں کی وہ تحریری علامتیں ہوتی ہیں جو حدّ امکان تک آوازوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اوران میں مزید اختصار کی گنجائش نہیں ہوتی۔ حروف کا ایسا مجموعہ حروف تہجی کہلاتا ہے۔ ﴿۱﴾

ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے حرف کی تعریف یوں کی ہے:

''سادہ آوازوں کو تحریری علامت میں لانے کا نام حرف ہے''۔ ﴿۲﴾

اردو میں حروف کی تفصیل یہ ہے:

- خالص عربی حروف: ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع، ق
- خالص ہندی حروف: ٹ، ڈ، ڑ
- خالص فارسی حرف: ژ
- مشترک حروف یہ ہیں: ب، پ، ت، ج، چ، خ، د، ذ، ر، ز، س، ش، ف، غ، ک گ، ل، م، ن، و، ہ، ی

ان میں سے ز، خ، ف، غ عربی اور فارسی میں مشترک ہیں۔ پ، چ، گ ہندی اور فارسی میں مشترک ہیں۔ ق کو اگر چہ بابائے اردو نے خالص عربی حروف میں لکھا ہے، لیکن یہ عربی اور ترکی میں مشترک ہے۔ باقی حروف ان تمام زبانوں میں ہیں جن سے اردو نے استفادہ کیا۔ ان حروف کے علاوہ چند اور حروف بھی ہیں جو کہ خاص ہندی ہیں۔ ماضی میں ان میں کا ہر حرف دو حرفوں کے میل سے ایک مرکب آواز خیال کی جاتی تھی۔

کیونکہ فارسی و عربی میں یہ آوازیں نہیں اور نہ ان کے لیے حروف ہیں۔ لیکن اب یہ دو سادہ

آوازیں مل کر ایک سمجھی جاتی ہیں۔ وہ حروف یہ ہیں:

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، کھ، گھ

یہ قدیم ہائیے کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اردو کے چند جدید ہائیے بھی ہیں۔ رھ، ڑھ، لھ، مھ، نھ، مثالیں، سرھانا، کوڑھ، کولھو، تمھارا، ننھا۔ یہ ہائیے نسبتاً بعد کی پیداوار ہیں۔ ہندی میں ان آوازوں کے لیے حروف نہیں ہیں۔ ان ہائیوں میں شوکت سبزواری نے دو مزید ہائیوں کا اضافہ کیا ہے۔ ﴿۳﴾

وھ، یھ، مثال، وہاں، یہاں۔ مگر یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ ان دو مثالوں میں ھ، واو ری سے مخلوط ہو کر تنفس کے ایک ہی جھٹکے میں ادا نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ ھ مخلوطی نہیں بلکہ ملفوظی سمجھی جائے گی۔

عربی اردو فارسی حروف کا تقابلی نقشہ ملاحظہ ہو۔

نمبر شمار	اُردو	عربی	فارسی
❁	ا	ا	ا
❁	ب	ب	ب
❁	بھ	......	......
❁	ت	ت	ت
❁	تھ	......	......
❁	ٹ	......	......
❁	ٹھ	......	......
❁	ث	ث	......
❁	پ	......	پ
❁	پھ	......	......
❁	ج	ج	ج
❁	ز	ز	ز
❁	ژ	......	ژ
❁	س	س	س
❁	ش	ش	ش
❁	ص	ص	......
❁	ض	ض	......
❁	ط	ط	......
❁	ظ	ظ	......
❁	ع	ع	......
❁	غ	غ	غ
❁	ف	ف	ف

نمبر شمار	اُردو	عربی	فارسی
✿	جھ	......	......
✿	چ	......	چ
✿	چھ	......	......
✿	ح	ح	......
✿	خ	خ	خ
✿	د	د	د
✿	دھ	......	......
✿	ڈ	......	......
✿	ڈھ	......	......
✿	ذ	......	......
✿	ر	ر	ر
✿	رھ	......	......
✿	ڑ	......	......
✿	ڑھ	......	......

نمبر شمار	اُردو	عربی	فارسی
✿	ق	ق	......
✿	ك	ك	ك
✿	کھ	......	......
✿	گ	......	گ
✿	گھ	......	......
✿	ل	ل	ل
✿	لھ	......	......
✿	م	م	م
✿	مھ	......	......
✿	ن	ن	ن
✿	نھ	......	......
✿	و	و	و
✿	ہ	......	......
✿	ء	......	......
✿	ی	ی	ی

اس خاکے میں اردو حروف کی تعداد ۵۱، عربی کی ۲۸ اور فارسی کی ۴۲ ہے۔ یہ خاکہ حتمی
یں۔ انشاء اللہ خان انشا کے نزدیک حروف تہجی کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس کے حروف تہجی کی تعداد زیادہ ہے۔ فصحا اور محققوں کے نزدیک یہ تعداد
اسی (۸۵) ہے۔ عوام اور تحقیق سے بے وابستہ لوگ پچانوے قرار دیتے ہیں"۔ ﴿۴﴾

انشاء نے یہ رائے مخلوط اور مرکب آوازوں کے جملہ امکانات کے پیش نظر دی ہے۔ انہوں
ے ھائیہ کے علاوہ انفیائی، یعنی مخلوط بہ غنہ اور ھائیہ یعنی مخلوط بہ ہائے خفی آوازوں کو بھی مستقل

حروف کی حیثیت سے شمار کر ڈالا۔ حالانکہ ان خصوصیات کا تعلق صوتی تنوع (Phonetic Variation) سے ضرور ہے۔ لیکن ان کو بنیاد بنا کر حروف کی تعداد میں اضافہ کرنا زبان کو بلا ضرورت گراں بار کرنا ہے۔ اردو حروف کی تعداد بنیادی طور پر صرف ۳۵ ہے۔ غشی جرجنی مصنف رسالہ ہندوستانی فیلولوجی (علم اللّسان) لکھتے ہیں: ﴿۵﴾

اور اردو زبان کی الف، بے، پے، تے میں (ا، ب، پ، ت، ٹ، ث، ج، چ، ح، خ، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک، گ، ل، م، ط و، ہ، ی) پینتیس حروف ہیں۔ جن میں سے چار پ، چ، ژ، گ، خاص عجمی ہیں۔ اور آٹھ ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع، ق، خالص تازی ہیں۔ اور تین ٹ، ڈ، ڑ، خالص ہندی یا ناگری ہیں۔ اور باقی حروف ایسے ہیں جو فارسی، عربی دونوں میں آتے ہیں۔

پھر جیسے جیسے اردو صوتیات ترقی کرتی گئی تو دس قدیم ہائیوں کو بھی شمار کر لیا گیا۔ تو یہ تعداد ۴۵ ہوگئی۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے اردو سندھی لسانی روابط میں اسی تعداد کو اختیار کیا ہے۔ ﴿۶﴾

معاصر ماہرین لسانیات جدید ہائیوں کو بھی حروف تہجی میں جگہ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب لکھتے ہیں:

”چنانچہ اس وقت اردو کے حروف تہجی حسب ذیل ہیں:

ا ۔ ب ۔ بھ ۔ پ ۔ پھ ۔ ت ۔ تھ ۔ ٹ ۔ ٹھ ۔ ث ۔ ج ۔ جھ ۔ چ

چھ ۔ ح ۔ خ ۔ د ۔ دھ ۔ ڈ ۔ ڈھ ۔ ذ ر ۔ ڑ ۔ ڑھ ۔ ز ۔ ژ ۔ س

ش ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ع ۔ غ ۔ ف ۔ ق ۔ ك ۔ كھ ۔ گ ۔ گھ

ل ۔ ھ ۔ م ۔ مھ ۔ ن ۔ نھ ۔ و ۔ ہ ۔ ء ۔ ی ۔ ے ۔ ﴿۷﴾

ڈاکٹر صاحب کی حروف تہجی کی یہ فہرست جامع اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ ہمارا دیا ہوا حروف تہجی کا خاکہ اس فہرست کے قریب تر ہے۔ صرف ”ر“ کا ہائیہ ”رھ“ ڈاکٹر صاحب نے اپنی فہرست میں شامل نہیں کیا ہے۔ جب کہ ہمارے خیال میں رھ کو اردو حروف تہجی کی زینت بنا چاہیے۔ بابائے اردو نے بھی رھ کو جدید ہائیوں میں ذکر کیا ہے۔ اور اس مثال میں لفظ تیرھواں

پیش کیا ہے۔﴿۸﴾

ڈاکٹر شوکت سبزواری بھی بابائے اردو کے مؤید نظر آتے ہیں۔ اور جدید ہائیوں کی جدول میں رھ کے ساتھ ساتھ ڑھ (کوڑھ) وھ (وہاں) یھ (یہاں) کا ذکر کرتے ہیں۔﴿۹﴾

ممکن ہے تیرھواں کی ''ھ'' بعض لوگوں کے تلفظ میں ہائے مخلوط نہ ہوئی ہو مگر سرہانے اور رھڑی میں اس ''ھ'' کے مخلوط ہونے میں شبہ نہیں ہے۔

میر کا شعر ہے:

سرہانے میر کے آہستہ بولو

ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

ہمزہ کو اردو کے بیشتر محققین حروف تہجی کی فہرست میں شامل نہیں کرتے۔ لغات میں ہمزہ کو حرف کی حیثیت سے کسی علاحدہ فصل میں جگہ نہیں دی جاتی۔ یعنی جن لفظوں میں دوسرا حرف ہمزہ ہے۔ جیسے: آئینہ، آئے، او، ان کو ی کی فصل میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً امیر اللغات میں آیا، آئی، آئیں وغیرہ کو ''فصل الف ممدودہ مع یائے تحتانی میں لکھا گیا ہے۔ قواعد میں بھی اس کے حرف ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔

بابائے اردو لکھتے ہیں:

> ''ہمزہ اسے غلطی سے حروف میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ در حقیقت ی اور واؤ کے ساتھ وہی کام دیتا ہے جو مد الف کے ساتھ، یعنی جہاں ی کی آواز کھینچ کر نکالنی پڑے، اور قریب دو ی کے ہو، یا جہاں واؤ کی آواز معمول سے بڑھ کر نکالی جائے، وہاں بطور علامت کے اسے لکھ دیتے ہیں۔ یہ ہمیشہ ''ی'' یا ''و'' کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے گئی۔ گئیں، کھاؤں''۔﴿۱۰﴾

خود موصوف ڈاکٹر فرمان صاحب نے ہمزہ کو حروف تہجی کی فہرست میں شامل کرنے کے باوجود لکھا ہے کہ ''ہمزہ عربی زبان کے لیے مخصوص ہے اور حرف مستقل کی صورت میں عام طور پر

لفظ کے شروع، درمیان اور آخر تینوں جگہ آتا ہے۔ جیسے امر، سائل، سوء، ابتداء وغیرہ میں۔ لیکن اردو فارسی میں ہمزہ، حرف اصل کے طور پر کسی لفظ میں نہیں آتا۔ چنانچہ اردو فارسی کا نہ کوئی لفظ ہمزہ سے شروع ہوگا اور نہ ہی اس پر ختم ہوگا۔ عربی کے جن لفظوں کے آخر میں ہمزہ آتا ہے وہ بھی بغیر ہمزہ کے لکھے جاتے ہیں۔ ﴿۱۱﴾

ہمارے خیال میں ہمزہ اردو کا حرف بھی ہے۔ علامت بھی۔ حروف تہجی کی ترتیب میں اس کو ہ کے بعد جگہ دی جاتی رہی ہے۔ نغمۂ عندلیب اور جلوۂ یکتا جیسی تراکیب میں یہ علامت اضافت ہے۔ مگر بائبل، مسائل، علاؤالدین، ذکاءاللہ اور مسئلہ وغیرہ میں یہ حرف ہے۔ ہمزہ کی یہ دھری شخصیت اس کے حرف ہونے میں مانع نہیں ہے۔ جیسا کہ واو (و) اور یا (ی) کبھی حروف صحیح ہوتے ہیں اور کبھی حروف علت، اس کے باوجود وہ مستقل حروف ہیں۔ صوتیاتی نقطہ نظر سے بھی ہمزہ فونیمی کردار ادا کرتا ہے۔ لاے اور لایئے کا معنوی فرق بھی ہمزہ کے وجود اور عدم وجود کا مرہون منت ہے۔ لہٰذا اصولی طور پر اسے حرف نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ”اردو میں ہمزہ مستقل حرف کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی حیثیت کے ساتھ بے شمار الفاظ میں پایا جاتا ہے۔ آواز کے لحاظ سے یہ الف کا ہم جنس ہے۔ دونوں کی آواز میں کچھ فرق نہیں البتہ محل استعمال میں فرق ہے۔ اردو میں ہم آواز حرف اچھی خاصی تعداد میں ہیں اس لیے ہمزہ اور الف کا ہم آواز ہونا، نہ تعجب کی بات ہے نہ پریشانی کی۔ ﴿۱۲﴾

رہا چھوٹی ی اور بڑی ے کا فرق، تو وہ دو جداگانہ حرفوں کا فرق نہیں بلکہ یا (ی) کی معروف اور مجہول شکلوں کا فرق ہے۔ اس لیے ہم نے اپنی فہرست میں یائے مجہول کو حروف تہجی میں الگ سے تحریر نہیں کیا جبکہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب نے غالباً رسم الخط اور املا کے تقاضوں کے پیش نظر اسے الگ سے درج کیا ہے۔

اُردو میں عربی فارسی حروف

اُردو نے اپنے حروف تہجی کی بنیاد عربی فارسی پر رکھی ہے۔ لیکن ڈاکٹر شوکت سبزواری صاحب کی رائے ہے کہ اُردو زبان نے اپنے حروف تہجی کی بنیاد صرف عربی پر رکھی ہے۔ اور ٹھیٹ ہندی اور فارسی آوازوں کے لیے عربی حروف میں ضروری ترمیم کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''اردو حروف عربی حروف سے ماخوذ ہیں۔ جنہیں ڈاکٹر جونز نے خود عربی کے لیے بڑی حد تک جامع اور مکمل بتایا تھا۔ ٹھیٹ ہندی اور فارسی کے لیے عربی حروف میں ترمیم کرکے انہیں اردو کے مزاج کے مطابق ڈھال لیا گیا''۔ ﴿۱۳﴾

بہر حال ڈاکٹر صاحب کی رائے محل نظر ہے۔ کیونکہ اردو نے عربی سے صوتیے Phonemes نہیں بلکہ صیغے Morphemes لیے۔ جن کے ساتھ صوتیئے بھی چلے آئے۔ یا دوسرے لفظوں میں اردو نے عربی سے الفاظ و کلمات لیئے ہیں۔ حروف نہیں لیئے۔ اور یہ الفاظ و کلمات زیادہ تر فارسی کے توسط سے اردو میں آئے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ عربی حروف میں تغیر کے ذریعے فارسی آوازیں حاصل کی جائیں، بلکہ فارسی الفاظ و کلمات بھی اردو میں اسی طرح دخیل ہوئے جس طرح عربی الفاظ۔ اور پھر ان دونوں زبانوں کے الفاظ و کلمات کی روشنی میں اردو حروف تہجی ترتیب دیئے گئے۔ یہ اور بات ہے کہ خود فارسی حروف کی بناء عربی حروف پر ہے۔

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں: ﴿۱۴﴾

> ''اہل فارس نے جب عربی حروف کو اپنی زبان کے لیے اختیار کیا تو اپنی خاص آوازوں کے لیے عربی حرفوں پر نقطے لگا کر نئے حروف بنا لیے۔ مثلاً ب پر دو نقطے بڑھا کر پ، ج پر دو نقطے بڑھا کر چ اور ر پر تین نقطے بڑھا کر ژ بنائے گئے''۔

نقطوں کے حذف واضافہ کی اس روشنی کو اردو نے اپنے ابتدائی عہد میں ہندی الاصل آوازوں کے لیے اپنایا۔ ہائیہ کے لیے ھ اور کوزی آوازوں کے لیے ط کی علامت بعد میں اختیار کی گئی۔ حروف کی موجودہ اور قدیم شکلیں ملاحظہ ہوں۔ ﴿۱۵﴾

موجودہ	قدیم
ٹ	ٹ
ڈ	د ۔ ڈ
ڑ	ر ۔ ڑ ۔ ڑ

مختصر یہ کہ عربی میں کل ۲۸ حروف تھے۔ جو اردو میں مستعمل ہیں۔ فارسی میں ۲۴ حروف ہیں جن میں سے پ۔ چ۔ ژ اور گ فارسی کے مخصوص حروف ہیں۔ اور باقی ۲۰ عربی میں شامل ہیں۔ اس طرح اردو زبان میں عربی فارسی حروف کی مجموعی تعداد ۳۲ ہوئی۔ بقیہ ۱۹ حروف میں سے پیشتر ہندوستانی ہیں۔ جن کے اظہار کے لیے اردو نے عربی ہی کو منتخب کیا۔ یعنی عربی کے سادہ غیر منقوط حروف پر ط کا اضافہ کر کے ت سے ٹ اور د سے ڈ اور ر سے ڑ بنا لیا۔ اور ہائیہ کے لیے اسی مخرج کے سادہ حرفوں پر جس کے لیے ہائیہ مقصود ہے۔ ھ کا اضافہ کر کے ب سے بھ، ت سے تھ، ٹ سے ٹھ، ج سے جھ، د سے دھ، ڈ سے ڈھ اور ک سے کھ بنا لیا۔

حرکات وعلل

عربی کے تمام حروف علت ا۔ و۔ ی، حرکات ثلثہ زبر۔ زیر۔ پیش۔ شد اردو میں پائے جاتے ہیں۔

حرکات

زبر ۔	(فتحہ)	رب
زیر ۔	(کسرہ)	بل
پیش ۔	(ضمہ)	گر ۔ سر

ف علّت

الف	ا	سا
یائے معروف	ی	میر
واؤ معروف	و	مو۔سو۔رو
یائے ماقبل مفتوح	ے	خیر۔سیر
واو ماقبل مفتوح	و	حوض۔موت

البتہ مجہول آوازیں عربی میں نہیں ہیں۔اردو میں ان کی مثالیں یہ ہیں۔

یائے مجہول	ے	سیر۔(وزن)	زیر
واؤ مجہول	و	دو۔جو۔کو	

فصیح عربی زبان میں یائے مجہول کی صرف ایک مثال قرآن مجید میں ہے۔

"بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا" ﴿۱۶﴾

اس طرح اردو میں حرکات وعلل کی کل تعداد جو معنی کے فرق کو قائم رکھنے میں مدد دیتی ہیں دس ہوئیں۔

اردو رسم الخط

زبان اور رسم الخط کا تعلق روح اور جسم کا تعلق ہے۔زبان روح ہے تو رسم الخط جسم ہے۔ زبان اور رسم الخط کی ہم آہنگی زبان کو زندہ و پائندہ بناتی ہے۔اس اعتبار سے بھی اردو وہ خوش قسمت زبان ہے جس نے عربی فارسی رسم الخط اپنا کر حیات جاوید حاصل کر لی ہے۔کیونکہ عربی دنیا کی ان زبانوں میں سے ہے جو صدیوں سے اپنے مخصوص رسم الخط کے ساتھ زندہ ہے۔لہٰذا رسم الخط کی جو خوبیاں عربی رسم الخط کا طرۂ امتیاز ہیں وہ سب اردو میں بھی منتقل ہو گئیں۔عربی خط نسخ کہلاتا ہے۔ اور اردو نستعلیق جو دراصل نسخ ہی کی ایک شکل ہے۔

سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> ''نستعلیق ایک خاص فارسی خط کا نام ہے، یہ اصل میں نسخ تعلیق کی ہندی ترکیب ہے۔ ہندی ترکیب کا خاصہ ہے کہ جب دو لفظ ملا کر ایک بنائے جاتے ہیں تو بیچ کا حرف گرا دیتے ہیں۔ اس طرح نسخ اور تعلیق مل کر نستعلیق بنا۔ عربی میں نسخ لکھنے اور نقل کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اہل عجم نے عربی خط کا نام نسخ رکھا۔ تعلیق اور تعلیقہ کے نام سے اس نے فارسی شکل اختیار کی اور ان دونوں سے مل کر نستعلیق خط بابر کے زمانہ میں بنا۔ یہ وہی خط ہے جس میں آج کل اردو لکھی جاتی ہے''۔ ﴿۱۷﴾

عربی کے توسط سے اس خط کی پہلی خوبی یہ ہے کہ اس میں دونوں قسم کی آوازوں مصمتوں اور مصوتوں کا جامع علامتی اظہار کیا گیا ہے۔ مصمت آوازیں جیسے ب ۔ ج ۔ ل وغیرہ قائم بالذات ہیں، جب کہ حرکتیں (زبر، زیر ہیں)۔ قائم بالغیر ہیں۔ مصمت آوازوں کے تلفظ میں اعضائے نطق (زبان، تالو، ہونٹ وغیرہ) کے باہم ٹکرانے اور متصادم ہونے کی وجہ سے ہوا رک جاتی ہے۔ حرکات کی وجہ سے ہوا سرسرا کر نکل جاتی ہے اور سلسلہ صدا جاری رہتا ہے۔ اس لیے انہیں مصوت (آواز دہندہ) کہتے ہیں۔ عربی کی طرح اردو میں بھی بنیادی حرکتیں تین ہیں۔ زبر، زیر، پیش انہی حرکتوں کے اشباع یا تمدید سے علتیں وجود میں آئیں (ا۔و۔ی) اگرچہ اردو میں یہ حرکات تحریر نہیں ہوتیں، لیکن استعمال میں آتی ہیں۔ مثلاً الف پر تینوں حرکتیں ہو سکتی ہیں، اَ۔اِ۔اُ جب کہ سنسکرت میں تینوں حرکتوں کی جدا جدا صورتیں رکھی گئی ہیں۔ ﴿۱۸﴾

ان حرکات کی مدد سے حروف علت بھی ترکیب دیے جا سکتے ہیں۔ آ۔او۔اِی۔اَے وغیرہ اردو رسم الخط میں حرکات کے نطقی استعمال کے باوجود تحریر میں اختیار نہ کرنے کا سبب اردو تحریر میں روانی لانا ہے۔ تاکہ لکھنے میں کم سے کم وقت صرف ہو۔ اب عربی زبان میں بھی حرکات کا استعمال درسی ضروریات تک محدود ہے۔ اخبارات و رسائل اور عام مطالعاتی کتب میں حرکات متروک ہیں۔

عربی کے حوالہ سے اردو رسم تحریر کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اردو نے ان عربی حروف کو جو اردو میں ہم آواز ہیں جوں کا توں برقرار رکھا۔ اردو میں ذ،ض،ظ،ز ایک صوت (فونیم) ہیں۔ص،ث، س ایک صوتیہ ہیں۔ ط اور ت، ح اور ہ ایک صوتیہ ہیں۔ چونکہ ان عربی حروف کے اختلاف سے کلمات میں معنوی تبدیلی ہوتی ہے اس لیے اردو نے ان حروف کو متشابہ الصوت ہونے کے باوجود برقرار رکھا۔ ذم،ضم، مذل۔ مضل، ذاخر، زاخر۔ ثواب، صواب۔ اصرار، اسرار اور ہال، حال کے باہمی جوڑوں میں صوتی اتحاد کے باوجود معنوی اختلاف ہے۔ یہ رسم تحریر کا معنویاتی (Semantical) اور بصریاتی (Visual) پہلو ہے۔ جو اردو نے برقرار رکھا۔ تفصیلی بحث اپنے موقع پر آئے گی۔

اردو نے اپنے مخصوص مزاج کی بناء پر بعض عربی الفاظ کی تحریر میں تبدیلی کی ہے جیسے عربی کے وہ الفاظ جو ہمزہ پر ختم ہوتے ہیں۔ ان کے آخر سے ہمزہ گرا دیا۔ اگرچہ بعض علمائے اردو اِسے جائز نہیں سمجھتے اب مثالیں دیکھیے۔ ارتقا۔ اشتہا۔ انشا۔ ضیا وغیرہ۔ ہمزہ کو گرانے کا سبب یہ ہے کہ اردو الفاظ کا آخر ساکن ہوتا ہے۔ البتہ ایسے الفاظ جب دوسرے کلمہ کی طرف مضاف ہوں تو پھر ہمزہ لوٹ آئے گا۔ جیسے ارتقائے حیات، دعائے خیر وغیرہ۔ اسی طرح عربی کی تائے مدورہ اردو میں تائے طویلہ سے بدل جاتی ہے۔ جیسے صلاحیت، رفاہیت، قدرت، سرعت وغیرہ اور کہیں یہ ہائے مختفی میں بدل جاتی ہے۔ جیسے علانیہ، جائزہ، فائزہ وغیرہ۔ جمع سالم میں ون۔ نون غنہ (ں) میں بدل جاتا ہے۔ عالمون سے عالموں اور جاہلون سے جاہلوں اور مفلسون سے مفلسوں ہو جاتا ہے۔ عربی کا الف مقصورہ اردو میں سادہ الف سے بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے دعویٰ، تقویٰ، مصفّیٰ، منقی، تقاضی، تماشی وغیرہ اردو میں دعوا۔ تقوا، مصفا، منقا، تقاضا اور تماشا لکھے جائیں گے۔ یہ اور اس قسم کے دیگر تصرفات عربی الفاظ کی تحریر و صدا میں اردو زبان نے اپنے مزاج کے لحاظ سے کیے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات (باب چہارم)

(۱) سبزواری: اردو لسانیات (مکتبہ تخلیق ادب کراچی)۱۹۶۶،ص:۶۸

(۲) عبدالحق، بابائے اردو: قواعد اردو (لاہور اکیڈمی) ص:۳۳

(۳) سبزواری: اردو لسانیات، ص:۱۱۲

(۴) انشاء اللہ خان انشاء: دریائے لطافت، (انجمن ترقی اردو)، ۱۹۳۵ص:۸

(۵) منشی چرنجی لال، ہندوستانی فلولوجی، (مطبع محب ہند دہلی)، ۱۸۸۶، مقدمہ ص:۳

(۶) اصلاحی: اردو سندھی لسانی روابط، ص:۱۱۴

(۷) فرمان فتحپوری، ڈاکٹر: اردو املا ورسم الخط، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز)، ۱۹۷۷ء ص:۱۲

(۸) عبدالحق، مولوی: قواعد اردو، ص:۳۳

(۹) سبزواری: اردو لسانیات، ص:۱۱۲

(۱۰) فرمان فتحپوری: اردو املا ورسم الخط، ص:۲۲

(۱۱) فرمان فتحپوری: اردو املا ورسم الخط، ص:۲۲

(۱۲) رشید حسن خان: اردو املا، (دہلی نیشنل اکیڈمی)، ۱۹۷۴، ص:۳۴۸

(۱۳) سبزواری: اردو لسانیات، ص:۵۶

(۱۴) اصلاحی: اردو سندھی کے لسانی روابط، ص:۱۱۴

(۱۵) غلام مصطفیٰ خان: علمی نقوش، مقالہ اردو املا کی تاریخ۔ ماخوذ اردو املا ورموز اوقاف (مقتدرہ قومی زبان) ۱۹۸۶، منتخب مقالات، مرتب ڈاکٹر گوہر شاہی

(۱۶) القرآن: سورۃ: ھود آیۃ:۴۱

(۱۷) ندوی: نقوش سلیمانی، ص:۳۲۶

(۱۸) سبزواری: لسانی مسائل، ص:۲۷۲

باب پنجم

اُردو عربی صوتیات

بنیادی طور پر زبان آوازوں سے عبارت ہے۔ تحریر زبان کی نہایت ناقص نمائندہ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ کاغذ پر ایسے بے حس و حرکت نشانات ہوتے ہیں جنہیں صرف دیکھا جا سکتا ہے سنا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ زبان کا آغاز سننے سے ہوتا ہے۔ بچہ پہلے ماں کی آوازیں سنتا ہے اور پھر ان کی نقل اتارتا ہے۔ یوں سننے اور بولنے کے عمل سے زبان وجود میں آتی ہے۔ صوتیات میں کسی زبان کی انہی آوازوں سے بحث کی جاتی ہے۔ تمام زبانوں میں بولنے کا عمل پھیپھڑوں سے آنے والی ہوا کے ذریعے ہوتا ہے۔ انسان سانس لیتے ہوئے ہوا پھیپھڑوں کی طرف کھینچتا ہے۔ پھر یہی ہوا ناک اور منہ کے ذریعہ خارج ہوتی ہے۔ ہوا کی اس واپسی میں اس کی گزرگاہ (خلائے حلق اور منہ) میں مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے جو تصرف کیا جاتا ہے۔ اسی کا نام آوازیں ہیں۔

ہر صوتی عمل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک فعلی، جس سے مراد کسی آواز کا ہوائی گزرگاہ کے کسی حصہ سے ٹکرا کر یا سرسرا کر نکلنا ہے۔ دوسرا پہلو انفعالی ہے کہ سننے والے کے پردۂ گوش پر جا کر آواز یا موج کا متصادم ہونا اور اس کے ارتعاشات کا ذہن تک پہنچنا ہے۔ پہلا پہلو تلفظ (Phontation) ہے اور دوسرا اسماع (Audition) ہے۔ بلوم فیلڈ کے نزدیک آوازوں کے تین لازم و ملزوم پہلو ہیں۔ جن سے صوتیات میں بحث کی جاتی ہے۔ ﴿۱﴾

- آوازوں کا اجراء (Production) یا نطقی پہلو (Articulating Aspect) آوازوں کی عضوی بحث (Physiological Aspect) متکلّم کا نطق اور اعضائے نطق کی حرکات و کیفیات اس پہلو میں شامل ہیں۔

- دوسرے پہلو میں اعضائے نطق کی حرکات کے نتیجے میں ہوا میں منتشر صوتی لہروں اور ارتعاشات سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ صوت کا طبعی (Physical) یا سمعی (Acoustic) پہلو ہے۔
- تیسرا پہلو استقبال صوت (Reception) کا ہے۔ اس میں ان صوتی لہروں اور ارتعاشات سے بحث کی جاتی ہے جو سامع کے کانوں کے پردہ سے ٹکرا کر اس کے داخلی کان اور سمعی اعصاب پر وہ میکانیکی عمل کرتے ہیں جن سے اصوات کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ شاخ (Audiotory Phonetics) سماعی اصوات بھی کہلاتی ہے۔

کسی زبان کے صوتیوں کے تعین کے لیے ہمیں اولین پہلو یعنی نطقی پہلو سے بحث کرنا ہوتی ہے۔ دوسرا اور تیسرا پہلو ہماری بحث سے خارج ہے۔

مصمتے اور مصوّتے

اگر پھیپھڑوں سے خارج ہونے والی ہوا صوتی تاروں (Vocalcard) کے تنگ کوچے سے رگڑ کھاتی ہوئی اس طرح نکلے کہ خلائے حلق یا منہ میں کہیں کسی رکاوٹ یا رگڑ سے دوچار نہ ہوتو مصوتے ادا ہوتے ہیں۔ جب کہ مصمتوں کی ادائیگی میں ہوا خلائے حلق یا منہ میں رکاوٹ کے ساتھ یا ٹکرا کر نکلتی ہے۔ اس لیے انہیں مصمتہ (ٹھوس، بھرا ہوا) کہتے ہیں۔ عربی زبان میں مصمتوں کے لیے صوامت یا سواکن اور مصوّتوں کے لیے صوائت کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ خفیف مصوّتوں کو اعراب یا حرکت اور طویل مصوّتوں کو حروف علّت کہا جاتا ہے۔

اصوات کا تنوّع اور فراوانی سائنسی مطالعہ کے لیے ایک عقدہ لاینحل بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ کسی لفظ بلکہ کسی حرف کی آواز کو دنیا کے کوئی بھی دو آدمی یکساں طور پر ادا نہیں کرتے۔ اس سے بھی زیادہ پریشان کن دعویٰ یہ ہے کہ ایک شخص کسی لفظ یا مفرد آواز کو ایک بار جس طرح ادا کرتا ہے، مستقبل میں کبھی بالکل اسی طرح ادا نہیں کرسکتا۔ ایک ذی الحس آلے کائمو گراف کے سامنے جب کوئی لفظ یا آواز بولی جاتی ہے تو اس میں لگے ہوئے کاغذ پر ہوا کی ایک لہر کا گراف بن جاتا

ہے۔اگر سو بار ک ک کہا جائے تو ہر دفعہ کچھ نہ کچھ بدلا ہوگا۔﴿۲﴾

صوتیات میں نازک اختلافات والی مماثل آوازیں تو ہمیشہ خاصی مشکلات کا باعث رہیں۔ کہ انہیں ایک صوت کا درجہ دیا جائے یا دو کا۔ان مشکلات کا حل یہ نکالا گیا کہ ان آوازوں کو مجموعی طور پر ایک صوتیہ (Phoneme) قرار دیا جائے۔مثلاً انگریزی کے H کی آواز He, Hat, Who میں اور T کی آواز Two اور Tea میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔اردو میں ''آیا'' اور ''دنیا'' میں ی کی آواز مختلف سنائی دیتی ہے۔عربی میں اللہ اور للہ کے تلفظ میں لام کی آواز ایک دوسرے سے مختلف ہے۔مگر ان سب اختلافات کے باوجود H ایک صوتیہ (فونیم) T ایک صوتیہ ی ایک صوتیہ اور ل ایک صوتیہ سمجھا جائے گا اور ایک صوتیہ میں شامل ان مختلف آوازوں کو ہم صوت Allo Phones کہا جائے گا کیونکہ آیا اور دنیا میں ی کی آواز مختلف ہونے کے باوجود ی ہے۔ واؤ نہیں ہے اور ان دونوں یاؤں میں مماثلت کے پہلو اختلاف کے پہلوؤں سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ ماہرین نے ہم صوتی اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے کسی زبان میں صوتیوں کے تعین کے لیے اقلی جوڑوں (Minimal Pairs) کا اصول اپنایا ہے۔یعنی اگر دو آوازیں دو لفظوں میں اس طرح واقع ہوں کہ سوا ان آوازوں کے باقی تمام آوازیں یکساں ہوں اور صرف ایک ایک آواز کے اختلاف سے ان الفاظ کے معنی مختلف ہو گئے ہوں تو ان آوازوں کو صوتیہ قرار دیا جائے گا۔

ڈاکٹر ڈینیل جونز لکھتے ہیں:

"When a distinction between two sequences accuring in a language is such that any lesser degree of distinction would be inadequate for clearly differentiating words in that language, the distinction is termed "Minimal" one.

(Minimal one) کی وضاحت کے بعد وہ (Minimal Pair) کی یوں تشریح کرتے ہیں:

"Minimal distinctions are also be effected by the

substitution of one phoneme for an other. Thus following pairs of English words exhibit minimal distinctions:
Sit, Sat, Sip, Jit, etc, ﴿3﴾

یا مثلاً اردو میں ہال اور حال کے جوڑے سے دو صوتیہ برآمد ہوئے۔ ہ اور ح۔ دوسرے لفظوں میں الفاظ میں صوتیوں (Phonemes) کا اختلاف معنی کے اختلافات پر منتج ہوتا ہے۔ جب کہ ہم صوتی اختلاف (Allophonic Variations) معنی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ لیکن اقلی جوڑوں کی مدد سے صوتیوں کے تعین کا طریقہ کوئی آخری طریقہ نہیں۔ کیونکہ اگر کسی صوتیہ کا اقلی جوڑا نہ ملے تو یہ اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا۔

گلیسن (Gleason) لکھتے ہیں:

"However, it is still conceiveable that extencive search might fail to uncover any minimal for two closely similar sounds. In some languages, minimal pairs are much more difficult to find than is the case in english, so much so that the analyst cannot afford to depend upon them.

They are by uo means necessary, but merely the most definitive evidence when they can been found, other methods can however provide a quite reliable analysis.﴿4﴾

یہ بھی واضح رہے کہ اصوات اور صوتیوں کے تعین میں دوہرا معیار اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک زبان کی اصوات تجزیہ کرتے وقت آوازوں کے زیادہ سے زیادہ نازک اختلافات کی نشاندہی کی جائے گی۔ لیکن صوتیوں کے تعین میں کوشش یہ ہوگی کہ ایک زبان کی جملہ آوازوں کو کم سے کم صوتیوں میں اسیر کیا جاسکے۔ یعنی اصوات کی فہرست جتنی جامع اور مفصل ہو خوب ہے۔ اس کے برعکس صوتیے جتنے کم ہوں اسی قدر سہولت اور کفایت کا حق ادا ہوتا ہے۔ ﴿۵﴾

پھیپھڑوں سے خارج ہونے والی ہوا پر اعضائے نطق کی حرکات کے اثر کے نتیجے میں مختلف

قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو تمام زبانوں میں کام آتی ہیں۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ان کی تقسیم اس طرح کرتے ہیں۔

آوازوں کے نوعیت کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہیں:

- بندشی آوازیں جو ہوا کے راستے کو مکمل طور پر بند کر کے اس کے دباؤ کو گلے میں کسی بھی مقام پر بند کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً: ب۔پ۔ت۔د۔ڈ۔ک۔گ۔بل۔پل۔دل۔ تال۔ڈال۔کال۔گال۔عربی میں یہ آوازیں انفجاری یعنی دھماکہ دار کہلاتی ہیں۔ کیونکہ ہوا کا دباؤ اچانک کھلنے سے دھماکہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔
- ہوا کے راستے میں کسی بھی مقام پر انقباض پیدا کر کے درز یا پتلے شگاف جیسا چھوٹا سا راستہ باقی رہنے دیا جائے تاکہ ہوا کو اس میں سے نکلتے ہوئے نسبتاً زیادہ زور لگانا پڑے۔ ایسی آوازوں کو صفیری کہتے ہیں۔ مثلاً: ف۔و۔س۔ز۔ش۔ژ۔خ۔غ۔ہ۔جیسے ۔وہم۔ سر۔زھرہ۔مژہ۔خول۔غول وغیرہ۔عربی اصطلاح میں یہ احتکاکی یعنی رگڑ والو آوازیں ہیں۔
- منہ میں ہوا کے گزرنے کے راستہ میں اٹکاؤ پیدا کر دیا۔ لیکن زبان کے ایک طرف یا دونوں طرف تھوڑا سا راستہ کھلا رہے۔ اسی طرح پیدا ہونے والی آوازوں کو پہلوئی **(Lateral)** کہتے ہیں۔ مثلاً ل۔کال۔لال وغیرہ۔عربی اصطلاح میں یہ آواز جانبی کہلاتی ہے۔
- ہوا کے گزرنے سے اگر منہ کا کوئی اندرونی لچک دار حصہ مرتعش ہو کر اٹھے تو ارتعاش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ارتعاش کی یہ کیفیت اگر نہایت مختصر ہے اور ہوا کے گزرنے سے صرف ایک تھپک پیدا ہو تو اسے تھپک دار آواز کہتے ہیں مثلاً ر۔ڑ۔پار۔پاڑ۔گر۔گڑ۔عربی اصطلاح میں یہ آواز تکراری کہلاتی ہے۔
- آخری قسم کی وہ آوازیں ہیں جنہیں پیدا کرنے کے لیے ہوا کے گزرنے کا راستہ نسبتاً چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن زبان اور ہونٹوں کی مختلف حرکات سے منہ کے اندرونی حصے کی شکل میں تغیر و تبدل کیا جاتا ہے۔ ان آوازوں کو مصوتے **(Vowels)** کہا جاتا ہے۔ عربی

اصطلاح میں یہ صوائت کہلاتی ہیں۔ جب کہ ماقبل الذکر آوازیں اردو میں مصمتے اور عربی میں صوامت کہلاتی ہیں۔ ﴿۶﴾

اس تقسیم میں غنائی آوازوں (Nasal) کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جن کے ادا کرنے میں آواز پیدا کرنے والی ہوا ناک سے خارج ہوتی ہے۔ غنائی مصمتوں میں یہ ہوا محض ناک سے خارج ہوتی ہے۔ جب کہ مصوتوں کی غنائیت میں بیک وقت ناک اور منہ سے باہر آتی ہے۔

آوازوں کی دوسری تقسیم مخارج (نقطہ ادا) کے لحاظ سے ہے۔ یعنی حلق کے کس مقام سے کون سی آواز نکلتی ہے۔ اس تقسیم کی وضاحت خاکہ سے کی جائے گی۔ مگر اس سے پہلے عربی، اردو کی ضروری اصطلاحات دی جاتی ہیں تاکہ دونوں زبانوں کا اصطلاحاتی فرق سامنے جائے اور یہ اندازہ کرلیا جائے کہ اردو کن کن اصطلاحات میں عربی سے استفادہ کرتی ہے۔

نقطۂ ادا، یعنی مخرج کے لحاظ سے مروج اصطلاحات

عربی	اردو	انگریزی
شفتاني / شفوي	لبی	BILABLE
شفوي اسناني	لب دنتی	LABIO-DENTAL
اسناني	دنتی	DENTAL
لثوي	لثوی	ALVEOLAR
التوائي	معکوسی	RETROFLE
لثوي حنكي	عقب لثوی	PLATO-ALVEOLAR
حنكي	تالوئی	PALATAL
طبقي، اقصى حنكي	نرم تالوئی/غشائی	VELAR
لهوي	حلقی	UVULAR
حلقي يا حنجري	گلوئی، حلقومی	GLOTTAL

طریق ادا کے لحاظ سے اصطلاحات

عربی	اردو	انگریزی
انفجاری	وقفی / بندشی	STOPS
نصف وقفی	وقفیہ جاریہ	AFFRICATE
انفی	غنّائی / انفی	NASAL
جانبی	پہلوئی	LATERAL
لمسی / تکراری	تھپک دار / دستکی	FLAPPED
احتکاکی	صفیری	FRICATIVES
مجھور	مصیتی / مسموع	VOICED
مھموس	غیر مصیتی / غیر مسموع	UNVOICED
انصاف الحرکات	نیم مصوّتے	SEMI-VOWELS

توضیحات

ان اصطلاحات کے ترجمہ میں ڈاکٹر شوکت سبزواری اور ڈاکٹر گیان چند کی تحریروں سے مدد لی گئی ہے۔ عربی اصطلاحات کے لیے ڈاکٹر احمد مختار عمر اور ڈاکٹر کمال بشر کی تصنیفات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ﴿۷﴾

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے نرم تالوئی کی جگہ غشائی اور لب دنتی، دنتی اور لثوی آوازوں کے لیے نوکیلی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ﴿۸﴾

جب کہ ڈاکٹر شوکت سبزواری کا رجحان وضع اصطلاحات میں بجا طور پر عربی کی طرف ہے۔ فرماتے ہیں:

''علمی زبان کے لیے جس نوع کی ثقافت سنجیدگی، متانت اور بھاری بھرکم پن درکار ہے۔ وہ صرف عربی میں ہے۔ عربی دنیائے اسلام کی علمی زبان ہے۔ ہر خطے کے مسلمان نے اس سے

استفادہ کیا اور اس کے علمی ذخیروں سے فیض اٹھایا اردو برابر اپنی کم مائیگی اور تہی دامنی کا علاج عربی الفاظ و مرکبات سے کرتی رہتی ہے۔ اردو کے لیے عربی کی وہی حیثیت ہے جو انگریزی کے لیے لاطینی کی ہے۔ اردو میں عربی کے سوا کسی اور زبان کے اصطلاحی الفاظ کے رچنے، پچنے اور گھل مل جانے کی گنجائش مجھے نظر نہیں آتی"۔ ﴿۹﴾

اسی مضمون لسانیاتی اصطلاحات میں پہلوئی اور لبی جیسی اصطلاحات پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ یوں رقم طراز ہیں۔

"ہر چند فارسی الفاظ کے آخر میں نسبت کی "ی" لاحق کر کے ہزاری بزازی جیسے الفاظ عام طور پر اردو میں وضع کیے جاتے رہے ہیں لیکن مستند علمی زبان میں فارسی الفاظ پر یائے نسبت ثقافت کے خلاف ہے جیسے پہلوئی پہلو+ئی۔ لبی (لب + ی) دولبی (دو+لب + ی) وغیرہ۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب دولبی، پہلوئی اور تالوئی کی بجائے بالترتیب، شفوی اسنانی۔ منخرف اور حنکی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ ہم ڈاکٹر صاحب کی تائید کرتے ہوئے اپنے نقشوں میں اردو لسانیاتی اصطلاحات میں عربی رجحان کو ترجیح دیں گے اور کہیں کہیں معروف اصطلاحات کو بھی مدِّ نظر رکھیں گے۔

اُردو مصمتے

کیفیت نطق	شفوی Bilabial		شفوی اسنانی Labio Dental		اسنانی Dental		لثوی Alveolar		معکوی Retroflex		لثوی حنکی Palato Alveolar		حنکی Palatal		غشائی Velar		لھوی Uvular		حنجری Larynx	
صفت جہر وہمس	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور
Stops Unaspirated بندشی غیر منفوس	پ	ب			ت	د			ٹ	ڈ					ک	گ	ق			
Stops Aspirated بندشی منفوس	پھ	بھ			تھ	دھ			ٹھ	ڈھ					کھ	گھ				
Afericates Unaspirated بندشی جاری غیر منفوس													چ	ج						
Afericates Aspirated بندشی جاری منفوس													چھ	جھ						
Unaspirated Nasal غنائی غیر منفوس		م						ن								نگ				
Nasal Aspirated غنائی منفوس		مھ						نھ												
Lateral Unaspirated پہلوئی غیر منفوس								ل										أ		
Lateral Aspirated پہلوئی منفوس								لھ												
Unaspirated Flapped دستکی غیر منفوس								ر		ڑ										
Flapped Aspirated دستکی منفوس								رھ		ڑھ										
Fricatives صفیری			ف				س	ز			ش	ژ			خ	غ			ہ	
Semi-Vowels نیم مصوتے				و										ی						

عربی مصمتے

کیفیتِ نطق	شفوی Bilabial		شفوی اسنانی Labio Dental		اسنانی Dental		اسنانی لثوی Dental Alveolar		لثوی Al-Veolar		لثوی حکی Palato Alveolar		حکی Palatal		غشائی Velar		لھوی Uvular		حلقی Pharynx		حنجری Larynx	
صفت: جہر و ہمس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس	مجہور	مہموس
بندشی Stops	ب						ض د	ط ت								ک		ق			ہمزہ ء نہ مجہور ہے نہ مہموس	
بندشی جاری Africates											ج											
صفیری Fricatives				ف	ذ ظ	ث			ز	ص س		ش			غ	خ			ع	ح		ھ
پہلوئی Lateral							ل															
رگی Flapped									ر													
غنائی Nasal	م						ن															
نیم مصوتے Semi Vowels	و												ی		(و)							

تفخیم وترقیق کے لحاظ سے تقسیم

عربی کی مفخم آوازیں: ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ

عربی کی غیر مفخم (مرقق) آوازیں: ب ۔ ت ۔ ث ۔ ح ۔ خ ۔ د ۔ ذ ۔ ز ۔ س ۔ ش ۔ ع ۔ غ ۔ ف ۔ ق ۔ ک ۔ ہ

کبھی مفخم کبھی مرقق: ل ۔ ر

مزید وضاحت موقع پر ملاحظہ ہو

دیے گئے نقشوں میں اردو عربی کے مشترک صوتیوں میں کہیں کہیں جزئی اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات عربی ماہرین لسانیات کی مخارج کی دقیق درجہ بندی کی وجہ سے ہیں ورنہ ان اختلافات کی کوئی حقیقت نہیں۔

عربی ماہرین لسانیات نے لثہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ حصہ جو دانتوں سے قریب ہے، اسے اسنانی لثوی کہا گیا۔ دوسرا وہ حصہ جو دانتوں سے نسبتاً دور ہے۔ اس کے لیے صرف ''لثوی'' کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ اور یہ دونوں مخرج اتنے قریب ہیں کہ تفریق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اردو میں یہ تفریق روا نہیں رکھی گئی۔ چنانچہ اردو میں ن۔ ل۔ ر۔ ز۔ س۔ سب لثوی ہیں۔ جب کہ عربی میں ز۔ ر۔ س اور ن۔ ل۔ اسنانی لثوی ہیں۔ (البتہ ڈاکٹر احمد مختار عمر نے ز کو بھی اسنانی لثوی شمار کیا ہے۔ ﴿۱۰﴾

اسی طرح ماہرین لسانیات اردو ت کو اسنانی شمار کرتے ہیں۔ جب کہ عرب ماہرین اسے اسنانی لثوی لکھتے ہیں۔ اور یہ درست ہے کیونکہ و۔ ت خالص اسنانی نہیں بلکہ یہ دانتوں سے تھوڑا پیچھے اگلے مسوڑھے سے ادا ہوتی ہیں۔

اسی طرح و کے دو مخارج ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ نرم تالوئی (غشائی) ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت نرم تالو کے اٹھنے سے ناک کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اور سلک صوتی **Vocal Card** میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں۔ اس لیے شفوی ہے۔ واؤ کے مخرج کے ذیل میں ڈاکٹر کمال بشر لکھتے ہیں:

”و تضم الشفتان ویسدّ الطریق الی الانف برفع الحنك اللین و یتذبذب الوتران الصّوتیان“ فالواو اذن صوت صامت (او نصف حرکة) من اقصی اللسان مجھور، نحوالوا و فی ولد، ویمکن وصفه بانّه شفوی کذلك، حیث انّ الشفتین تنضمان عند النطق به (ترجمہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۱۴۳)

واؤ کے ان دونوں مخارج کا اردو میں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ دونوں زبانوں کا یہ مشترک صوتیہ یکساں کردار ادا کرتا ہے۔

ج۔ش۔ی۔عربی اردو میں حنکی (تالوئی) ہیں۔لیکن اردو میں گیان چند اور عربی میں ڈاکٹر کمال بشر نے حنکی آوازوں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک وہ جو لثہ اور حنک کے موضع اتصال سے ادا ہوتی ہیں۔یہ لثوی حنکی کہلاتی ہیں۔دوسری وہ جو خالص حنکی ہیں۔ڈاکٹر گیان چند نے اردو میں ش کو لثوی حنکی شمار کیا ہے۔جب کہ ج اور ی کو حنکی۔جب کہ عربی میں ڈاکٹر کمال بشر نے ج اور ش کو لثوی حنکی اور ی کو حنکی شمار کیا ہے۔یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ ی کا مخرج بہر حال ج اور ش کے وراء (ورے) ہے۔

غ اور خ کا مخرج اردو عربی دونوں میں یکساں ہے۔یعنی یہ دونوں آوازیں Velar غشائی ہیں۔﴿۱۱﴾

البتہ ڈاکٹر گیان چند نے غ خ کو ق کے مخرج Uvular میں درج کیا ہے ﴿۱۲﴾۔جو درست معلوم نہیں ہوتا۔کیونکہ غ۔خ کا مخرج ق کے مقابلہ میں نسبتاً مقدم ہے۔حنک (تالو) کی طرح حلق کو بھی ماہرین لسانیات عربی نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلا حصہ پیش حلقی Uvular ہے۔جہاں سے ق کی آواز نکلتی ہے۔اردو ماہرین اس مخرج کے لیے لہاتی یا کوے کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔اگرچہ لھاۃ سے قاعدے کے مطابق لہاتی نہیں بلکہ لھوی صحیح ہے۔ اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔دوسرا حصہ پس حلق ہے۔جہاں سے ع اور ح کی آواز نکلتی ہے۔ عربی لسانیات کے ماہرین ان آوازوں کو حلقی کہتے ہیں۔اردو میں چونکہ ان آوازوں کا اعتبار نہیں ہے، اس لیے اس تقسیم کی ضرورت پیش نہیں آئی۔چنانچہ اردو کے ماہرین لہوی کی جگہ حلقی اور حلقی کی جگہ لہوی کی اصطلاح بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔

حنجری Glottal (گلوئی) آوازوں میں ہ / ھ اردو عربی کا مشترک صوتیہ ہے۔جب کہ ہمزہ (ء) ایک مصمت (Consonent) اور گلوئی Glottal آواز ہونے کے اعتبار سے عربی کے ساتھ مخصوص ہے۔کیونکہ عربی ہمزہ کی ادائیگی میں حلق میں ہوا کا اجراء ایک مکمل رکاوٹ کا سامنا کرتا ہے۔اسی لیے عربی میں اسے همزة القطع کہتے ہیں۔

والهمزة العربية صوت صامت كذلك، وليست من الحركات في شئ لانه

یحدث فی نطقھا ان یقابل الھواء باعتراض تام فی الحنجرۃ۔ ﴿۱۳﴾

اس کے برعکس اردو میں ہمزہ کسی مصمت (Consonent) آواز کو ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ اردو ہمزہ اکثر جڑوان مصوّتہ (Depthong) کا کردار ادا کرتا ہے۔ یعنی اس کی ادائیگی میں اعضائے نطق ایک مصوّتے کے مخرج سے روانہ ہو کر تیزی کے ساتھ دوسرے مصوّتہ کے مقام تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً

ہونٹوں پہ ترے دیکھوں ہنسی آئی ہوئی سی

آئی میں ہمزہ کی آواز دیکھیے	/ai/
تیری تقدیر کو رو آئے	/ae/
کوئی مرتا ہے کیوں خدا جانے	/o:i/

ان مثالوں میں ہمزہ جڑواں مصوتے (Depthong) کو ظاہر کر رہا ہے۔ کہیں یہ ی اور واؤ کے ساتھ وہی کام دیتا ہے جو مدالف کے ساتھ جیسے سائیں یا لاؤں وغیرہ۔

واو ری عربی اردو دونوں میں یکساں کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ، یہ حرکات طویلہ (علّت) ہیں۔ جیسے قاضی، اون وغیرہ میں یا عربی مثال میں یبغی یدعوا وغیرہ ہیں۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ نیم مصوّے ہیں۔ اس حالت میں یہ مصمتوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ مثلاً ولد کی واؤ نے بلد کی ب کی جگہ لے کر معنی تبدیل کر دیے۔ اس صورت میں یہ دونوں آوازیں صرف نطق کے اعتبار سے اپنی صفات میں علل کے قریب ہوتی ہیں۔ لیکن ترکیب صوتی میں مصمت آوازوں کا کردار ادا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں اردو کے ماہرین لسانیات نیم مصوّتہ کہتے ہیں جب کہ نیم مصمتہ کہنا بھی درست ہے۔ اگرچہ اوّل الذکر اصطلاح زیادہ مشہور ہے۔ عربی کے ماہرین انہیں انصاف الحرکات (Semi-Vowels) کہتے ہیں اور یہ دو صوتی سیاقوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ ایک کہ واو ری کسی بھی قسم کی حرکات (اعراب) کے ساتھ آئیں جیسے ولد اور وطن کی واؤ زبر کے ساتھ۔ دوسرے یہ کہ یہ ساکن ہوں اور ان سے پہلے فتحہ ہو۔ جیسے حوض اور بیت میں ـَ + وـ ـَ + ی۔ حوض اور بیت میں واو ری کی آواز میں Depthong جڑواں مصوّتے کا

گمان ہوسکتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں Depthong ایک یونٹ ہوتا ہے۔ جب کہ عربی حوض اور بیت دو مستقل یونٹ ہیں۔ ـَ + و ـَ + ی۔

ڈاکٹر کمال بشر لکھتے ہیں: ﴿۱۴﴾

> وقد وهم بعض الدارسين فظنّ ان الواو والياء فی اللغة العربية فی (حوض و بيت) جزء ان من حركة مركبة (Depthong) وهو وهم خاطئی ولا شك، اذ الحركة المركبة وحدة واحدة (One Unit) والموجود فی حوض وبيت ليس وحدة واحدة وانّما هناك وحدتان مستقلتان هما الفتحة + الوا وفی حوض والفتحة والياء فی بيت۔

آخر میں و۔ی نیم مصوتوں کے عربی جوڑے ملاحظہ ہوں۔

بلد	ولد	نترك	يترك
ثغر	ثور	بخت	بيت

(ترجمہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۱۴۵)

ہماری گزشتہ بحث میں نقطۂ ادا Point of Articulation یعنی مخرج کے لحاظ سے اردو عربی کے مشترک صوتیوں کا اختلاف واشتراک واضح کیا گیا۔ طریق ادا (Mannor of Articulation) کے لحاظ سے دونوں زبانوں کے مشترک صوتیوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

اردو کے مخصوص مصمتے

اردو چونکہ آریائی مزاج رکھتی ہے اس لیے سنسکرت اور ہندی کے زیر اثر اردو کے کچھ مخصوص مصمتے ہیں جو عربی میں نہیں پائے جاتے۔ ان میں سب سے پہلے اردو کی ہائیہ آوازیں ہیں۔ یہ آوازیں سانس کے شدید اخراج کے ساتھ ادا ہوتی ہیں۔ ﴿۱۵﴾

ہم نے اپنی جدول میں پندرہ ہائیے درج کیے ہیں جو صوتیوں (Phonemes) کا درجہ رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند نے تمام ہائیوں کو اردو مصمتوں کی جدول سے نکال دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہکاری آوازیں (قدیم ہائیے) ہائے مخلوط (جدید ہائیے) اور ہائے ملفوظی تینوں آوازیں تکملی بٹوارے ہیں۔ اس لیے ہ کو ایک صوتیہ اور ان تینوں کو ہم صوت (Allophones) قرار دینے میں کوئی قباحت نہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''ہکاریت کو لفظ کا علیحدہ قطعہ (Segment) قرار دینا غالباً صحیح نہیں۔ یہ مصوتی غنائیت کی طرح ایک وصف ہے''۔ ﴿۱۶﴾

لیکن گیان چند صاحب کی یہ رائے درست نہیں اس لیے کہ ہائیہ آوازیں اردو میں ہندی کی طرح ایک مستقل وجود رکھتی ہیں۔ اور ایک صوتیہ کی شرائط پر پورا اُترتی ہیں۔

ہائیہ کے علاوہ معکوس آوازیں ڈ۔ ٹ۔ ڑ بھی عربی زبان میں نہیں ہیں۔ ژ بھی اردو کا خاص مصمتہ ہے۔ جو فارسی سے ماخوذ ہے۔ اردو میں فارسی کے چند دخیل الفاظ میں یہ آواز آتی ہے۔ جیسے ژالہ۔ مژہ۔ ژولیدہ۔ اژدھا وغیرہ۔ گ اور اس کی غنائی شکل نگ بھی فصیح عربی زبان میں نہیں ہے۔ البتہ فصیح عربی جیم کا قاہرہ کے لہجے میں گ تلفظ کیا جاتا ہے۔ مثلاً جمال کو گمال کہیں گے۔ فصیح عربی جیم سے اس جیم کو ممتاز کرنے کے لیے اسے ''جیم القاہرہ'' کہتے ہیں۔ بعض ماہرین لسانیات کی تحقیق یہ ہے کہ عربی زبان میں جیم کی اصل آواز ''گ'' ہی کی تھی جو ارتقائی مراحل سے گذر کر قریش کے لہجے میں جیم ہوگئی۔

ڈاکٹر کمال بشر لکھتے ہیں:

> وھذا واضح فی ان الجیم الاصلیة فی اللغة العربیة ھی الجیم القاھریة ثم تطورت الی (di) فی نطق القرشیین۔ ﴿۱۷﴾

اس کے مزید شواہد یہ ہیں کہ باقی سامی لغات میں بھی جیم گ کی آواز دیتا ہے۔ مثلاً عربی میں جمل g a m a l اور سریانی میں gamala اور حبشی میں gamal ہے۔

جیم القاہرہ کی تحریری صوتی علامت قدیم عربی میں ک ہے۔ چنانچہ بعض نحویوں نے جمل

(اونٹ) رجل (آدمی) اور جھۃ (پیشانی) جیسے کلمات کی کتابت کمل رکل کھۃ بیان کی ہے۔ کمال بشر لکھتے ہیں کہ یہ ک دراصل مصری جیم (گ) ہے۔ جو اس خاص صوت کی علامت نہ ہونے کی وجہ سے لکھا جاتا ہے۔

وعلی الارجح فی ھذہ الکلمات یوجد النطق الاصلی، یعنی الجیم المصریة والسامیة العامة، ولکن النحویین کتبوا کا فا لعدم الاشارة للنطق۔ ﴿۱۸﴾

چنانچہ قرآن کی ایک آیت ”حتی یلج الجمل فی سم الخیاط“ کی ایک مروی قرآت حتی یلک الکمل فی سم الخیاط بھی ہے۔

مصری جیم کی ”ک“ سے کتابت اس لیے بھی معقول و مقبول ہوئی کہ ک اور گ دونوں ہم مخرج (نرم تالوئی) ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ک مہموس Unvoiced ہے۔ اور گ مجہور (Voiced) ہے۔

چ کا کویت میں تلفظ

موجودہ مرّوج عربی لہجات میں ”ک“ کا تلفظ چ سے کویت اور بعض خلیجی ریاستوں میں کیا جاتا ہے۔ حیاک اللہ کو حیاچ اللہ اور باکر (سویرے) کو باچر بولتے ہیں۔ اس محدود علاقہ میں چ کی صورت کا استعمال ایران کی مجاورت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ان عرب ریاستوں کے بہت سے باشندے ایرانی الاصل ہیں۔ جنھوں نے اپنی موروثی لغوی عادات سے مقامی عربی لہجے کو متاثر کیا۔

ان حروف کے علاوہ عربی کے متشابہ الصّوت حروف ث، ص، ذ، ض، ظ، ط، ح، ع کی الگ الگ آوازیں اردو میں نہیں ہیں۔ بلکہ ث، ص کو س اور ذ، ض، ظ کو صرف ز اور ط کو ت اور ح کو ہ ع کو ا سے ادا کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح عربی کی یہ آٹھ آوازیں اردو میں تحریری وجود باقی رکھنے کے باوجود اردو کے صوتیاتی نظام میں جگہ نہ پا سکیں۔ تفصیلی بحث صوتیاتی تجزیہ میں ملے گی۔ البتہ عربی میں یہ سب آوازیں مستقل صوتی حیثیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ عربی اصوات صفت جھر و ھمس کے ساتھ ساتھ تفخیم (موٹا ہونا) اور ترقیق (پتلا ہونا) کی صفات بھی رکھتی ہیں۔

مجہور و مہموس آوازیں

کسی صوت کی ادائیگی میں سلک صوتی Vocal Cards سے ہوا کا گزر اس طرح سے ہو کہ امواج اور ارتعاشات پیدا ہوں تو یہ صوت مجہور Voiced ہوگی اور اس کے بالعکس اگر ارتعاشات پیدا نہ ہوں تو وہ صوت مہموس Unvoiced ہوگی۔ اردو میں ان کے لیے مصیتی اور غیر مصیتی کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ ﴿۱۹﴾

قریب المخارج آوازوں کی تمیز میں صفت جہر و ہمس نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ مثلاً اسنانی آوازوں میں دا ورت ہم مخرج ہیں۔ اوران دونوں کا فرق جہر اور ہمس سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ دال مجہور ہے۔ تو ت مہموس ہے۔ یہی کیفیت لثوی ز اور س کی ہے۔ کہ ز مجہور ہے تو س مہموس ہے۔ اور صفت جہر و ہمس ان دونوں آوازوں کا فرق ہے۔ غ اور خ کے فرق کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

عربی اردو کی مشترک مجہور اور مہموس آوازیں درج ذیل ہیں۔

مجہور آوازیں یہ ہیں۔ ب۔م۔و۔د۔ن۔ل۔ر۔ز۔ج۔غ۔ی

مہموس آوازیں یہ ہیں۔ ف۔ت۔س۔ش۔ک۔ق۔خ۔ہ

لیکن عربی کی متشابہ الصوت آوازوں میں جہر و ہمس کے علاوہ تفخیم و ترقیق بھی آوازوں کا امتیازی وصف ہے۔

سیبویہ کا قول ہے:

”لو لا الا طباق لصارت الطاء د الاً“

اگر اطباق (Velarization) نہ ہوتا تو ط۔ د میں بدل جاتی۔ ﴿۲۰﴾

تفخیم و ترقیق کا تعلق زبان کے پچھلے حصے (مؤخر اللسان) سے ہے۔ اگر زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو کی طرف تھوڑا سا بلند ہو کر حلق کی خلفی (پچھلی) دیوار کی طرف حرکت کرے تو تفخیم پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر احمد مختار عمر لکھتے ہیں:

والتفخیم معناه ارتفاع مؤخر اللسان الی اعلی قلیلا فی اتجاه الطبق اللین و تحرکه الی الخلف قلیلا فی اتجاه الحائط الخلفی للحلق۔ ﴿۲۱﴾

اس لحاظ سے عربی کے اسنانی صفیری ذ۔ اور ظ دونوں مجہور آوازیں ہیں لیکن ان کا امتیازی وصف تفخیم و ترقیق ہے۔ ظ مفخم تو ذ مرقق ہے۔ اسی طرح "ض" اور "ذ" دونوں مجہور ہیں۔ لیکن ان کا فرق تفخیم و ترقیق ہے۔ ض مفخم ہے اور د مرقق۔ اسی طرح ت اور ط دونوں مہموس ہیں۔ اور ان کا فرق تفخیم و ترقیق سے واضح ہوگا یعنی ط مفخم ہے اور ت مرقق۔ س اور ص کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ دونوں مہموس ہیں۔ لیکن ص۔ مفخم ہے۔ اور س مرقق ہے۔

تفخیم کے اعتبار سے عربی زبان میں آوازوں کی تقسیم ملاحظہ ہو۔

کامل تفخیم والی آوازیں جیسے۔ ص۔ض۔ط۔ظ۔ل (مفخمّة)

جزئی تفخیم والی آوازیں جیسے۔ خ۔غ۔ق

کبھی مفخم کبھی مرقق جیسے ر۔ راشد اور رحیم جیسے کلمات میں ر مفخم لیکن را جس سے پہلے کسرہ یا یاء (ی) ہو مرقق ہوتی ہے۔ جیسے خَسِرَ اور یرجعون میں را۔

ل

کامل تفخیم والی آوازوں کے مقابل مرقق جوڑے دستیاب ہیں۔ لیکن لام کی تفخیم و ترقیق کی فونیمی حیثیت کے بارے میں عربی لسانیات کے ماہرین کا اختلاف ہے۔

ڈاکٹر کمال بشر نے اسے غیر مفخم قرار دیا ہے۔ کیونکہ تفخیم و ترقیق کے اعتبار سے ان کے اقلی جوڑے دستیاب نہیں۔ ﴿۲۲﴾

ڈاکٹر احمد مختار عمر نے مفخم لام کو عربی میں ایک صوتیہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے چارلس اے فیرگوسن **Charles -a- Ferguson** کے مقالے **(The Emphatic-L-in Arabic** کا سہارا لیا ہے۔ جس میں لام مفخم کو ایک صوتیہ قرار دیا گیا ہے۔ ﴿۲۳﴾

مگر محققین کے ہاں اس رائے کو قبول عام حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ لام مفخم کو عام لام کا ہم صوت Allophone قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر احمد مختار نے لام مفخم اور عام لام کے معنوی اختلافات کے حامل اقلی جوڑے بھی پیش کیے ہیں۔

(۱) واللّٰہ Waallahu

(۲) ولّاہ Wallahu

ا۔ واللّٰہِ Wallaahi

ب۔ ولاھی Wallahi

حقیقت یہ ہے کہ محض ان جوڑوں کی بنیاد پر مفخم لام کو صوتیہ قرار دینا محض ایک تکلف ہے۔

ڈاکٹر احمد مختار ایک موقع پر لکھتے ہیں:

اما اللام فلا یظھر التقابل بین المرقق والمفخم منھا الا فی کلمات "محدودة" (۲۴)

لہٰذا مفخم لام کی فونیمی حیثیت کے تعین کے بارے میں ڈاکٹر کمال بشر کی رائے وزنی قرار پاتی ہے۔

(ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۵)

ض

ض۔ عربی کا مخصوص مصمتہ ہے۔ جس کا تلفظ عربوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر عرب اس آواز کو مشکل ہی سے ادا کرتے ہیں۔ اسی لیے عربی زبان کو 'لغۃ اہل الضاد' کہا جاتا ہے۔

ابن جنی لکھتے ہیں:

"واعلم ان الضاد للعرب خاصة ولا یوجد فی کلام العجم الا القلیل ض زمنی اعتبار سے دو قسم کا ہے۔ ایک قدیم ضاد اور دوسرا جدید ضاد۔ قدیم ض۔ ل کی طرح پہلوئی آواز ہے"۔

(ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۳)

ابن جنی کہتے ہیں:

"فان شئت تکلفھما من الجانب الایمن وان شئت من الجانب الایسر او من کلیھما۔ ﴿۲۵﴾

اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ض کی ادائیگی کے دوران ہوا منہ کی کسی ایک طرف دائیں یا بائیں سے نکلتی ہے۔ جیسا کہ لام میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلاغت کے ضمن میں راویوں کا یہ قول مشہور ہے کہ:

"انه كان يستطيع ان يخرج الضاد من اى شد قيه شاء"۔ ﴿۲۶﴾

اسی طرح قدیم "ض" بندشی جاری (احتکاکی) اصوات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ قدما نے اسے بندشی (انفجاری) اصوات میں ذکر نہیں کیا۔ بندشی آوازیں اس ترکیب میں جمع ہیں۔ "اجدت طبقک" اور اس میں ض نہیں ہے۔ سیبویہ نے بھی "الکتاب میں ض کو اصوات رخوۃ (بندشی جاری) میں تحریر کیا ہے۔

"الرخوة، وهى الهاء والحاء الغين والشين والصاد والضاد والزاى والسين والشين والظا والثاء والذال والفاء۔ ﴿۲۷﴾

یہی رائے ابن جنّی کی بھی ہے:

"واما الضاد فلان فيها طولا و تفشيا فلو ادغمت فى الطا لذهب ما فيها من التفشى فلم يجز ذلك"۔ ﴿۲۸﴾

اس عبارت میں ابن جنّی نے ض کی بندشی جاری ہونے کی صفت کو تفشی سے ظاہر کیا ہے۔ مختصر یہ کہ قدیم "ض" دو خصوصیات رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ ہوا کا اخراج لام کی طرح منہ کے ایک طرف سے ہوتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ یہ احتکاک (رگڑ) کی صفت رکھتا ہے۔ سیبویہ اور ابن جنّی کے نزدیک اس کا مخرج جیم شین اور یاء کے مخرج سے ملا ہوا ہے۔ جدید اصطلاح میں یہ لثوی حنکی کہا جاسکتا ہے۔ اس کی ادائیگی عربوں کے ہاں بھی معلوم ہے۔ عراق اور کویت کے بعض لہجات میں اس قدیم ضاد کی جھلک ملتی ہے۔ یا یہ ضاد قدیم ضاد کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

جدید ضاد سے مراد وہ ضاد ہے جو آج کل مستعمل ہے اور صفت جہر و ہمس میں اس کا مقابل طا ہے۔ "ط" مہموس ہے اور "ض" مجہور ہے۔ تفخیم کے اعتبار سے اس کا جوڑا "د" ہے۔ دال غیر مفخم اور ضاد مفخم ہے۔ مخرج کے اعتبار سے یہ اسنانی لثوی اور منہ سے ہوا کے اخراج کی کیفیت کے اعتبار

سے یہ بندشی (انفجاری) ہے۔ اس جدید ضاد کا تلفظ اہل اردو کے لیے اتنا ہی مشکل ہے جتنا خود عربوں کے لیے قدیم ضاد کی ادائیگی صعب ہے۔

ق اردو عربی کا مشترک صوتیہ ہے۔ اور اردو نے عربی اثرات کے تحت اسے اپنایا ہے۔ اردو کے سوا یہ کسی ہندوستانی زبان میں استعمال نہیں ہوتا۔

محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

"ق عرب کا حرف ہے۔ ہندوستان کی خاک میں یہ آواز نہیں"۔ ﴿۲۹﴾

شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

"ق خالص عربی آواز ہے۔ اور اہل ہند نے عربی اثرات کے تحت اسے اپنایا ہے۔ عربی اور قرآن کی تعلیم جن گھرانوں میں عام ہے وہاں بے تکلف اس کا تلفظ عام بول چال میں بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن جن کو یہ مواقع میسر نہیں یا جن کے اعضائے صوت کی بناوٹ میں اس کو اپنانے کی قابلیت نہیں وہ کوشش کے باوجود اس کو صحت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے تعلیم یافتہ طبقہ بے تکلف اس کا تلفظ کر سکتا ہے اور بلا استثنا تمام ماہرین صوتیات نے اسے اردو کے صوتی نظام میں جگہ دی ہے بلکہ روایتی طور پر اردو میں اس شخص کو پڑھا لکھا شمار نہیں کیا جاتا جو ش ق کا صحیح تلفظ نہ کر سکتا ہو۔ اور اسی رعایت سے اردو میں شین قاف درست ہونا محاورہ بن گیا"۔ ﴿۳۰﴾

عربی اردو کے مشہور مصمتوں کے صوتی تجزیہ کے بعد دونوں زبانوں کے مصمت صوتیوں کی تقابلی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

مصمت صوتیوں کی تقابلی فہرست

اُردو		مشترک		عربی	
/پ/	/p/	/ت/	/t̪/	/ث/	/θ/
/ٹ/	/ʈ/	/ك/	/k/	/ص/	/ṣ/
/چ/	/tʃ/	/ق/	/q/	/ذ/	/ð/
/پھ/	/pʰ/	/ب/	/b/	/ض/	/ḍ/
/تھ/	/t̪ʰ/	/د/	/d̪/	/ظ/	/ð̣/
/ٹھ/	/ʈʰ/	/ف/	/f/	/ط/	/ṭ/
/چھ/	/tʃʰ/	/س/	/s/	/ح/	/ħ/
/کھ/	/kʰ/	/ش/	/ʃ/	/ع/	/ʕ/
/ڈ/	/ɖ/	/خ/	/x/	/ء/	/ʔ/
/ڈھ/	/ɖʰ/	/ه/	/h/		
/نگ/	/ŋ/	/و/	/v/		
/گ/	/g/	/ج/	/dʒ/		
/گھ/	/gʰ/	/م/	/m/		
/بھ/	/bʰ/	/ن/	/n/		
/دھ/	/d̪ʰ/	/ز/	/z/		
/جھ/	/dʒʰ/	/غ/	/ɣ/		
/ڑ/	/ɽ/	/ر/	/r/		
/ڑھ/	/ɽʰ/	/ل/	/l/		
/لھ/	/lʰ/	/ی/	/j/		
/مھ/	/mʰ/				
/نھ/	/nʰ/				
/ھ/	/rʰ/				

اردو عربی مصوّتے

زبان کی اصلی اور بنیادی آوازیں حروف صحیح ہیں۔ اس لیے انہیں مصمتہ کہتے ہیں یعنی جو اندر سے خالی نہ ہوں۔ بلکہ ٹھوس اور بھری ہوئی ہوں۔ حروف صحیح کے تلفظ میں مخارج (زبان، تالو، ہونٹ) وغیرہ کے باہم ٹکرانے اور متصادم ہونے کی وجہ سے ہوا رک جاتی ہے اور مصوّتوں کی وجہ سے ہوا سرسرا کر نکل جاتی ہے۔ اور سلسلہ صدا جاری رہتا ہے۔ اس لیے انہیں مصوّت (آواز دھندہ) کہتے ہیں۔ ﴿۳۱﴾

عربی نے سب سے پہلے مصوتوں میں فرق کیا اور حرکت وعلّت الگ الگ ان کی دو قسمیں بیان کیں۔ زیر ِ زبر َ اور پیش ُ تین حرکتیں ہیں۔ یہ اصل اور اوّلین مصوتے ہیں۔ علتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں کہ وہ ان سے متفرع ہوئی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں حرکت کے اشباع وتمدید سے علتیں وجود میں آئیں۔ الف ''ا'' فتحہ کے اشباع سے وجود میں آیا (َ + َ = ا) یائے معروف کسرے کے اشباع سے بنی ِ + ِ = (ی) واؤ معروف ضمّہ کی تمدید سے و+ و= و حاصل ہوا۔ ابن جنّی لکھتے ہیں:

''اعلم ان الحرکات ابعاض حروف المدّ واللین، وھی الالف والیاء والواو، فکما ان ھذہ الحروف ثلاثہ فکذلك الحرکات ثلاث، وھی الفتحہ والکسرۃ والضمۃ، فالفتحۃ بعض الا لف والکسرۃ بعض الیاء، والضمۃ بعض الواو وقد کان متقدمو النحو یین یسمون الفتحۃ الالف الصغیرۃ والکسرۃ الیاء الصغیرہ والضمۃ الواو الصغیرۃ وقد کانوا فی ذلك علی طریق مستقیمۃ۔ ﴿۳۲﴾

چنانچہ اسی تقسیم کے پیش نظر اردو میں خفیف مصوّتوں کو اعراب یا حرکت اور طویل مصوّتوں کو حروف علّت کہا جاتا ہے۔ حرکتیں آوازوں کو سلسلہ صدا، میں پرو کر آوازوں کا ایک مستمر سلسلہ وجود میں لاتی ہیں۔ گویا آوازوں کا اخراج، بہاؤ یا ادا حرکات کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مصوّتوں کی ادائیگی میں پھیپھڑوں سے خارج ہونے والی ہوا صوتی تاروں کے تنگ کوچے

سے رگڑ کھاتی ہوئی نکلتی ہے اور اس کے بعد خلائے حلق یا منہ میں کہیں کسی رکاوٹ یا رگڑ سے دوچار نہیں ہوتی۔ مصوّتوں کی تقسیم تین نوعیتوں میں ہوتی ہے۔

جب زبان کا اگلا حصہ سخت تالو کی طرف جائے تو اگلے مصوّتے (پیش مصوّتے) وجود میں آتے ہیں مثلاً ی۔ ے۔ جیسے کلی اور اودے اور جب زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو کی طرف اٹھے تو واؤ معروف اور واؤ مجہول جیسے مصوّتے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے تو اور جو۔ یہ پچھلے مصوّتے (پسیں مصوّتے) کہلاتے ہیں اور جب زبان کا درمیانی حصہ تالو کے درمیانی حصے کی جانب اٹھے تو وسطی مصوّتہ یا مخلوط مصوّتہ ادا ہوتا ہے۔ اور یہ صرف فتحہ ہے۔

اردو میں دس مصوّتوں کی صوتیاتی حیثیت مسلم ہے۔ اگرچہ بعض ماہرین کے ہاں یہ تعداد کم وبیش ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے اردو میں سولہ مصوّتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ۱۲ کو صوتیوں کی حیثیت دی ہے۔ پھر طول (Length) کو ایک صوتیہ قرار دے کر مصوّتوں کی تعداد گھٹا کر دس سے بھی کم کردی۔ یعنی سات کردی۔ ﴿۳۴﴾

ان اختلافی آراء سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم دس متفقہ مصوّتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور وہ درج ذیل ہیں۔

URDU VOWEL PHONEMES

	FRONT ROUNDED اگلے یا پیشین		CENTRAL ROUNDED وسطی مدوّر	BACK پچھلے یا پسین
	ROUNDED مدوّر	ROUNDED مدوّر	UNROUNDED غیر مدوّر	ROUNDED مدوّر
HIGH	یائے معروف /i/			واؤ معروف /u/
LOWER HIGH		زیر معروف /ɪ/		پیش معروف /ʊ/
HIGHER MID		یائے مجہول /e/		واؤ مجہول /o/
LOWER MID		زیر لین /ɛ/		واؤ لین /ɔ/
HIGHER LOW			زیر معروف /æ/	
LOW			الف /a/	

واؤ معروف ُ + و ۔ سو (طرف) مو (بال) رو (چہرہ)

پیش معروف ُ سر ۔ گر

واؤ مجہول و ۔ دو ۔ (۲) کو ۔ جو

واؤ لین یا واؤ ماقبل مفتوح َ و ۔ سو ۔ (۱۰۰) او ۔ لو (چراغ کی)

الف ۔ سا ۔ کا

زبر معروف َ ۔ سب

یائے معروف ِ + ی ۔ میر ۔ تیر

زیر معروف ِ ۔ سر ۔ مل

یائے مجہول َ ے ۔ سیر ۔ (وزن) ۔ کھیل ۔ میل

یائے لین ۔ یا ماقبل مفتوح َ + ے خیر ۔ سیر و سیاحت ۔ میل ۔ دیر

ان مصوّتوں کی غنائی شکلیں بھی معروف ہیں۔ مثلاً سانس، پھونک، بھونک، بینگن، سونف، سینگ، سینگھار، پینترا، بندھا، وغیرہ۔ مصوّتوں کی یہ غنائی شکلیں صوتیوں کا مرتبہ رکھتی ہیں۔ کیونکہ تضاد اور تبدل کی بنیاد پر ان کے جوڑے دستیاب ہیں۔ مگر اس کے باوجود ماہرین لسانیات نے ان کو صوتیوں Phonemes کا درجہ نہیں دیا۔ کیونکہ صوتیوں کے تعین میں کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی زبان کے صوتیے کم سے کم تعداد میں اسیر ہو جائیں۔ چنانچہ غنائیت کو الگ صوتیہ تسلیم کرنے کی بجائے اسے لاحقہ صفت مانا گیا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں بعض ماہرین صوتیات نے اردو کی ہائیہ آوازوں کو بھی الگ صوتیہ ماننے کے بجائے تنفیس یا ہکاریت Aspiration کو وقفیوں Stops کی لاحقہ صفت قرار دیا ہے۔ ﴿۳۴﴾

البتہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی غنائیت کو الگ صوتیہ شمار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"اگر صوتیوں کے وجود کا دارومدار اقلی جوڑوں میں اقلی فرق سے ہوتا ہے تو سادہ اور انفیائی مصوّتے الگ الگ صوتیے ہیں"۔ ﴿۳۵﴾

ڈاکٹر صاحب کی رائے کا تجزیہ بالعکس مذکور رائے سے ہو چکا ہے کہ اس طرح زبان

صوتیوں کے اضافی بوجھ سے گراں بار ہو جائے گی۔

عربی زبان میں ان دس مصوتوں میں سے مجہول مصوتے نہیں ہیں۔ حروف لین کے بارے میں اختلاف ہے۔ باقی چھ کا وجود مسلم ہے۔ البتہ اصطلاحی اعتبار سے علماء لسانیات حرکات اور علّت کی الگ الگ اصطلاحات استعمال نہیں کرتے بلکہ حرکات کے لیے حرکات قصیرہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اور حروف علّت کو حرکات طویلہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ﴿۳۶﴾

اس کے برعکس حرکات قصیرہ کو ''العلل القصیرۃ'' اور حروف علّت کو ''العلل الطّویلۃ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ ﴿۳۷﴾

حروف لین یعنی واؤ ما قبل مفتوح اور یا ما قبل مفتوح کو اکثر عرب علمائے لسانیات مصوّتے شمار نہیں کرتے۔

ڈاکٹر کمال بشر لکھتے ہیں:

''الوا وفی نحو حوض والیاء فی نحو بیت، فکل منھما وقعت موقع الاصوات الصامتہ وادت وظیفتھا وقد یؤید ھذا الادعاء التصریفات الاخری لھذہ الکلمات فحوض، احوض، وبیت جمعھا ابیات، نلاحظ ان الوا وفی احواض والباء فی ابیات متلوۃ بحرکۃ، وھو موقع لا یکون الا للاصوات الصامتۃ''۔ ﴿۳۸﴾

اس طرح سے وہ ان آوازوں کو نیم مصوّتے قرار دیتے ہیں اور حروف لین کی اصوات اور نیم مصوتوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ لکھتے ہیں:

''ومعنی ھذا ان الواو والیاء فی اللغۃ العربیۃ من الاصوات الصامتۃ فی سیاقین صوتیین معینین ھما:

(۱) اذا اتبعت الواو والیاء بحرکۃ من ای نوع

(۲) اذا وقعتا ساکنتین وقبلھما فتحۃ

ولکن یجب الا ننسی انھما فی ھاتین الحالتین لھما شبہ نطقی بالحرکات، کما ان لھما شبھا وظیفیا بالاصوات الصامتۃ من جھۃ اخری ولھذا یطلق علیھا

العلما فی ھاتین الحالتین انصاف الحرکات۔ ﴿۳۹﴾

جب کہ ڈاکٹر احمد مختار عمر کے نزدیک یہ جڑواں مصوتے (Depthong) ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ان آوازوں کی صوتیے ہونے کی حیثیت سے صرف نظر کر لیا جائے اور محض ان کے امکان وجود پر توجہ مرکوز کی جائے تو یہ آوازیں عربی میں جڑواں مصوتے (مرکب اصوات) قرار پاتی ہیں۔

"اذا اردنا بوجود مجرد امکانیة العثور علیه فی بعض الامثله او الکلمات، بغض النظر عن دوره الوظیفی فی اللغه ...... فھذا النوع موجود بلا شك فاللغه العربیة نحوی التتابع (ay) و (aw)۔ ﴿۴۰﴾

میری رائے بھی یترک میں ی کی آواز اور بیت میں ی کی آواز کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک کر نیم مصوتے کہنا درست نہیں۔ کیونکہ دونوں کا فرق واضح طور پر نمایاں ہے۔ پہلی صورت یترک میں یہ نیم مصوتہ ہے۔ جب کہ دوسری صوت میں بیت میں واضح طور پر زبان قصیر مصوتہ زبر (َ) سے یا (ی) طویل مصوتے کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے غیر وظیفی مرکب صوت (مصمتی خوشہ) قرار دینا درست ہوگا۔ وَلَدٌ اور ثَوْرٌ کی واؤ کا واضح فرق بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات (باب پنجم)

(۱) کمال بشر ڈاکٹر: علم اللغۃ العام، (مصر، دار المعارف) ۱۹۷۵ء
(۲) گیان چند ڈاکٹر لسانی مطالعے (دہلی، نیشنل بک ٹرسٹ) ۱۹۷۳ء
(3) DANIAL JONES: THE PHONEME, (GREAT BRITAIN 3RD IMPRESSION), 1966, P.15
(4) M.A.GLEASON: AN INTRODUCTION TO DESCRIPTIVE LINGUISTICS, (HENRY HOLT AND COMPANY, NEW YORK) 1960, P-25
(۵) گیان چند، لسانی مطالعے، ص: ۸۵
(۶) گوپی چند نارنگ ڈاکٹر: اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، (دہلی، آزاد کتاب گھر) ۱۹۶۴ ص: ۱۴
(۷) احمد مختار عمر: دراسۃ الصوّت اللّغوی، (القاھرہ، عالم الکتب) ۱۹۷۶ء۔ ص: ۲۷۵
(۸) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۱۳۶
(۹) سبزواری: اردو لسانیات، ص: ۱۸۱
(۱۰) احمد مختار عمر: دراسۃ الصوّت اللّغوی، ص: ۲۷۴
(۱۱) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۱۳۳
(۱۲) ڈاکٹر گوپی چند نارنگ: اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، ص: ۲۱
(۱۳) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۷۵ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۳)
(۱۴) کمال بشر: علم اللغۃ، ص: ۸۵
(۱۵) شوکت سبزواری: اردو لسانیات، ص: ۱۰۲
(۱۶) گیان چند: لسانی مطالعے، ص: ۹۱
(۱۷) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۱۲۷ (ترجمے کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۴)

(۱۸) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۱۲۷ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۴)
(۱۹) اصلاحی: اردو سندھی کے لسانی روابط، ص: ۱۴۵
(۲۰) سیبویہ، ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر: الکتاب (المطبعۃ الأ میریۃ، ببولاق) ص: ۴۰۶۔ ج: ۳
(۲۱) احمد مختار عمر: دراسۃ الصوّت اللّغوی، ص: ۲۷۹ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۴)
(۲۲) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۲۳۶
(۲۳) احمد مختار عمر: دراسۃ الصوّت اللّغوی، ص: ۲۵۴
(۲۴) سابقہ مصدر، ص: ۲۷۹ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۴۴)
(۲۵) ابن جنی سرّ صناعۃ العرب۔ ج۔۱ (مصر) مصطفیٰ البابی الحلبی)، ۱۹۳۷ء، ص: ۵۲
(۲۶) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۱۰۶ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۴)
(۲۷) سیبویہ: الکتاب (المطبعۃ الامیریۃ ببولاق) ص: ۴۰۶۔ ج: ۲
(۲۸) ابن جنی: سرّ صناعۃ العرب، ص: ۲۲۴۔ ج: ۱
(۲۹) محمد حسین آزاد: سخن دان فارس، (لاہور) ۱۸۸۷ء ص: ۸۵
(۳۰) اصلاحی: اردو سندھی کے لسانی روابط، ص: ۱۵۶
(۳۱) سبزواری: اردو لسانیات، ص: ۷۲
(۳۲) ابن جنّی: سر صناعۃ العرب، ص: ۱۹ (ج۔۱) (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۴)
(۳۳) گیان چند: لسانی مطالعے، ص: ۶۳
(۳۴) گیان چند: لسانی مطالعے، ص: ۹۱
(۳۵) ابو اللیث صدیقی: ادب و لسانیات (کراچی، اردو اکیڈمی) ص: ۲۶۳
(۳۶) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۱۳۷
(۳۷) احمد مختار عمر: دراسۃ الصوّت اللّغوی، ص: ۲۶۷
(۳۸) کمال بشر: علم اللغۃ العام، ص: ۸۵ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۴)
(۳۹) سابقہ مصدر، ص: ۸۵ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۵)
(۴۰) احمد مختار عمر: دارسۃ الصوّت اللّغوی، ص: ۳۰۳ (ترجمہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۴۵)

باب ششم

قواعد

اردو کے ماخذ اور ارتقاء کے عنوان کے تحت مقالہ کے آغاز میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اردو زبان نسلی اور خاندانی اعتبار سے ہند آریائی ہے۔ جب کہ عربی زبان سامی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اردو میں صرفی ونحوی لحاظ سے عربی اثرات کی جستجو عبث ہے۔ جملوں کی ساخت، الفاظ کی ترتیب یعنی نحوی تراکیب میں اردو کی دنیا عربی سے بالکل الگ ہے یہ اور بات ہے کہ اردو زبان کے قواعد کی تدوین میں عربی کے قواعد کا تتبع کیا گیا ہے اور انہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے جو عربی کے لیے وضع ہوئیں۔

بابائے اردو لکھتے ہیں:

> "عربی زبان اور صرف ونحو کا اثر فارسی، ترکی، اردو زبانوں پر بہت کچھ ہوا ہے۔ اور اب عربی اصطلاحات صرف ونحو ان زبانوں کی قواعد میں برابر جاری ہیں۔ بلکہ فارسی اردو کی صرف ونحو عربی کی صرف ونحو کی نقل ہے"۔ ﴿۱﴾

حقیقت یہ ہے کہ صرفی ونحوی ساخت کے اعتبار سے اردو ہندی نژاد زبان ہے۔ اس کے افعال (جو زبان کا بہت بڑا جز ہیں) نیز ضمائر اور اکثر حروف ہندی ہیں۔ عربی اشتقاقی خصوصیات کی حامل زبان ہے۔ اس کے الفاظ کی تشکیل میں مادہ، مصادر اور مشتقات کا مرتب نظام ہے۔ اور اس نظام کے قواعد اور اصول اردو میں نہیں ملیں گے۔ تاہم عربی کی توانائی اور اس میدان میں اردو کے ساتھ اس کے تعلق پر یوں روشنی پڑتی ہے۔ کہ عربی اسماء وصفات کی کثیر تعداد مرکبات، فقرے، محاورے اور ضرب الامثال اردو میں دخیل ہو گئے۔ جنہوں نے اردو کی شان وشوکت اور حسن میں

اضافہ کردیا۔

بابائے اُردو لکھتے ہیں:

> لیکن عربی فارسی الفاظ کے اضافہ نے مختلف صورتوں میں اس کی اصل خوبی میں اضافہ کردیا ہے۔ ہندی الفاظ میں دل نشینی کا خاص اثر ہے، اور عربی، فارسی الفاظ میں شان وشوکت اور زبان کے لیے ان دونوں عنصروں کا ہونا ضروری ہے۔ عربی، فارسی الفاظ نے نہ صرف لغت اور نحو میں بلکہ خیالات میں وسعت پیدا کردی ہے۔ جس سے اس کا حسن دوبالا ہوگیا اور وہ زیادہ وسیع اور کارآمد بن گئی"۔ ﴿۲﴾

عربی کے صرفی ونحوی قواعد کے تحت بنے ہوئے یہ بے شمار الفاظ اتنی کثرت سے اردو میں مستعمل ہیں کہ ان کا احاطہ خاصا مشکل کام ہے۔ مثلاً ثلاثی مجرّد، ثلاثی مزید فیہ رباعی مجرّد اور رباعی مزید فیہ کے بے شمار مصادر جو اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مجرّد اوزان

فَعْل	قتل، حرب، صبر
فِعْل	علم، حلم، حفظ، عشق
فُعْل	حکم، عذر، شکر
فَعَلُ	طلب، عمل، نظر، بصر
فَعْلَة	رحمت، کثرت، فرحت
فِعْلَة	قلت، عزت، بدعت
فُعْلَة	قدرت، ندرت، سرعت، نزھت
فَعَال	سلام، صلاح، فساد
فِعَال	خطاب، حجاب، قیام

فُعَال	سوال، بخار، زکام
فَعلَان	میلان، ہیجان، سیلان
فِعلَان	حرمان، عرفان، ہذیان
فُعلَان	غفران، کفران، رجحان
فُعُول	حصول، صدور، نزول، دخول
فَعَالَة	سعادت، فصاحت، شرافت، بلاغت
فِعَالَة	کتابت، عبادت، خطابت
فُعُولَة	صعوبت، سہولت
مَفعَل	مرجع، مطلب، مقصد
مَفعَلَة	مرحمت، مسکنت

ان مثالوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ عربی ''ۃ'' (تائے مدّورۃ) اردو میں ''ت'' (طویلۃ) لکھی اور بولی جاتی ہے۔ یہی ۃ وقف کی حالت میں بعض صورتوں میں ہائے مختفی ہو جاتی ہے۔ جیسے صفحہ، روضہ، واقعہ وغیرہ۔

ثلاثی مزید فیہ کی مثالیں

إِفعَال	اعلان، افہام، اصرار، اتمام، ادغام، اکرام
تَفعِيل	تعلیم، تلقین، تفہیم، تکریم، تنظیم، تنیم
فِعَال	جہاد، قتال، دفاع، خلاف
إِنفِعَال	انعقاد، انکسار، انہدام، انضمام، انقلاب
إِستِفعَال	استعداد، استکبار، استکبار، استدلال
إِفتِعَال	انتظار، ابتداء، اختلاف، امتثال، احتیاط
تَفَاعُل	تکاثر، تلاطم، تصادم، توازن، تناسب

تَفَعُّل	تخیل، تکبر، تصور، تدبر، تعین
تَفعِلَہ	تذکرہ، تفرقہ، تقویت، تعزیت
مُفَاعَلَة	مجادلہ، مقابلہ، مناظرہ، مشاعرہ

اس طرح مصادر کا ایک سلسلہ عربی سے اردو میں آ گیا ہے۔ انہی مصادر سے مرکب اردو مصادر بنا لیے جاتے ہیں۔ جیسے عذر کرنا۔ تعلیم دینا۔ تشریف لانا۔ خبر لینا وغیرہ۔ ان مصادر سے فعلیہ مشتقات اردو میں نہیں پائے جاتے البتہ عربی قواعد کے مطابق اسمیہ مشتقات کثیر تعداد میں مستعمل ہیں۔ چند مشہور اور کثیر الاستعمال مشتقات ملاحظہ ہوں۔

اسم فاعل

ثلاثی مجرّد اور ثلاثی مزید فیہ کے تقریباً تمام ہی ابواب و مصادر سے اسم فاعل اردو کے ذخیرے میں موجود ہیں۔ ثلاثی مجرّد کے متعدد ابواب کے اسم فاعل کے لیے ایک ہی وزن فاعل ہے۔ جس کے مطابق کثیر تعداد میں اسم فاعل اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے قاتل، عالم، جاہل، نادر، ناقص، قابل، طالب، سائل، بالغ وغیرہ۔

ثلاثی مزید فیہ کے مختلف ابواب سے مثالیں درج ذیل ہیں:

باب	اسم فاعل	اردو مثالیں
إفْعَال	مُفْعِل	مصر، مضر، مدد، معین، مقیم، منعم، مسہل، وغیرہ
تَفْعِیل	مُفَعِّل	معلّم، مدرّس، منجم، مرتب، مدبر، معلّم، وغیرہ
مُفَاعَلَه	مُفَاعِل	ملازم، مقابل، مسافر، محافظ، مجاہد، معاون، وغیرہ
إنْفِعَال	مُنْفَعِل	منجمد، منحصر، منسلک، منعطف، منکسر، وغیرہ
إفْتِعَال	مُفْتَعِل	مجتہد، مختلف، منتظر، محتسب، مشتمل، وغیرہ
تَفَاعُل	مُتَفَاعِل	متبادل، متواتر، متحارب، متداول، مترادف، وغیرہ
تَفَعُّل	مُتَفَعِّل	متوہم، متصرف، متفکر، متمدن، متمنی، متقدم، متکبر، وغیرہ

اِسْتِفْعَال مُسْتَفْعِل مستعد، مستقبل، مستحق، مستغیث، وغیرہ

صفت مشبہ کے بعض صیغے بھی اسی ذیل میں آئیں گے۔ جو اردو میں مستعمل ہیں۔

فَعِیْل کے وزن پر، فصیح، بلیغ، علیم، کفیل، بصیر، وغیرہ

فَعَّال بزاز، خلاق، فراش، غسال، عطار، وغیرہ

اسم فاعل کی طرح اردو میں عربی اسم مفعول کے جو مشہور اوزان استعمال ہوئے ہیں۔ درج ذیل ہیں۔

مَفْعُوْل مسرور، معشوق، معلوم، منظور، مخصوص، وغیرہ

مُفْعَل مصحف، مکرم، مدرک، وغیرہ

مُفْتَعِل معتمد، مستند، محترم، مشترک، وغیرہ

مُفَعَّل مقدم، موخر، مکرّم، مصوّر، مرقع، وغیرہ

مُسْتَفْعَل مستثنیٰ، مستزاد، وغیرہ

اسم صفت

عربی میں اسم صفت کے متعدد اوزان ہیں۔ جن میں سے بعض سے آنے والے اسمائے صفت اردو میں کثیر تعداد میں ہیں۔ جیسے شریر، شریف، رذیل، فقیر، حقیر، سفیر، عمیق، وغیرہ

اسم تفضیل

جس کا وزن افعل ہے۔ اردو میں اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ اکثر، اکبر، اغلب، احقر، اشرف، احسن، اصغر، اکرم، اجمل، افضل، انسب، اجہل، وغیرہ

اسم مبالغہ

عربی کے اسم مبالغہ کے اوزان سے اردو میں زیادہ تر الفاظ فعال اور فعالۃ کے وزن سے آئے ہیں۔ جیسے صراف، سفاک، دجّال، جلاد، غسال، حمام، طباخ، مداح، علامہ، حرافہ، قتّالہ، وغیرہ

اسم ظرف

عربی کا اسم ظرف مَفعَل، مَفعِل اور مَفعَلہ اردو میں بھی مستعمل ہے۔

مسجد، منزل، مشرق، مغرب، مجلس، محفل، مکتب، مدرسہ، مقبرہ، وغیرہ

اسم آلہ

عربی اسم آلہ مِفعَل اور مِفعَال سے اردو مثالیں ملاحظہ ہوں:

مفتاح، مصباح، منبر، میزان، مضراب، مقیاس، وغیرہ

عدد

عدد کے اعتبار سے عربی میں تین درجے ہیں۔ واحد، تثنیہ، جمع تثنیہ عربی زبان کی خصوصیات میں سے ہے۔ کہ یہ اسماء وافعال میں واحد اور جمع کی طرح مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

اردو کے قواعد میں تثنیہ نہیں ہے۔ لیکن عربی صیغہ کے اثر سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں۔ جیسے

والدین، زوجین، قوسین، کونین، شیخین، صاحبین، دارین، نعلین، طرفین، قطبین، جانبین، حرمین شریفین وغیرہ۔

واحد اور جمع کی مثالیں اتنی عام ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔ جمع مؤنث سالم کی بعض مثالیں۔ علامات، خدمات حرکات، عنایات، کرامات، حالات قابل ذکر ہیں۔ جمع مذکر سالم میں عالمون، جاہلون، کافرون، بالغون، عاقلون وغیرہ کی عربی جمعوں کو اردو نے اپنے مزاج کے مطابق ڈھالتے ہوئے جاہلوں عالموں اور کافروں کر دیا۔ جمع مکسر کی مثالیں بھی اتنی زیادہ ہیں کہ چنداں محتاج ذکر نہیں۔ تاہم بعض کثیر الاستعمال اوزان تحریر کیے جاتے ہیں۔

اَفعَال	ابرار، اقسام، اوزان، اخبار
فُعُول	امور، اصول، وجوہ، فتوح، عیوب
مَفَاعِل	محاسن، محامد، محافل، مدارج، مشاغل

فَوَاعِل	سوانح، سواحل، دوائر، جواہر، طوائف
فُعَلَاء	شعراء، قدماء، فصحاء، بلغاء، علماء
فُعَّال	عشاق، تجار، عمال، عباد
فُعُل	کتب، سبل، رسل، مدن
فِعَال	ریاح، ریاض، جبال، نکات
أَفْعُل	انفس، اعین، السن
أَفْعِلَاء	اولیاء، انبیاء، اتقیاء، اقرباء، وغیرہ

جنس

جنس کے معاملہ میں بھی عربی کے اثرات اردو میں مستعار اور دخیل الفاظ کے ساتھ بکثرت دیکھے جاسکتے ہیں۔ عربی میں مذکر سے مؤنث بنانے کا معروف قاعدہ مذکر کے آخر میں گول ہ (تائے مدوّرہ) کا اضافہ ہے۔ اردو میں عربی کے ایسے مؤنث بکثرت ہیں۔ البتہ آخر کی ۃ وقف کی بناء پر ہ ہوگئی ہے۔ جیسے

صفحہ، روضہ، واقعہ، مشاعرہ، محاکمہ، مجادلہ، مناظرہ، معاملہ، مشغلہ، صالحہ، زاھدہ، معلّمہ، متعلقہ، عاقلہ، بالغہ وغیرہ۔

الف مقصورہ کی وجہ سے مؤنث قرار پانے والے اسما بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے سلمیٰ، لیلیٰ، کبریٰ، وغیرہ۔

تنوین

عربی اعرابی زبان ہے۔ حرکات ثلاثہ کے علاوہ تنوین بھی عربی کی خاصیت ہے۔ جب کہ اردو کا کوئی اسم قصیر مصوّتے (زیر، زبر، پیش) پر ختم نہیں ہوتا۔ سب ساکن الآخر ہیں۔ تاہم دو زبر کی تنوین والے الفاظ عربی کے اثر سے اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے فوراً، تقریباً، غالباً، ضمناً، قیمتاً، ارادۃً، عمداً، نسبتاً، کلیتاً، خالصتاً، ھدیۃً، تحفۃً، وغیرہ۔

مرکبات

مرکب اضافی

اردو میں ترکیب اضافی حرف اضافت کے ساتھ تشکیل پاتی ہے۔ جیسے حامد کا گھوڑا احمد کی کتاب، وغیرہ۔ جب کہ عربی میں ایک خاص نحوی ترکیب اضافت کے معنی پیدا کرتی ہے۔ اور مضاف، مضاف الیہ کی اردو ترتیب کے برعکس عربی میں مضاف پہلے اور مضاف الیہ بعد میں آتا ہے۔ جیسے

حصان	حامد	حامد کا گھوڑا
کتاب	خالد	خالد کی کتاب

تاہم عربی کے اثر سے اردو میں استعمال ہونے والی اضافی ترکیبیں (عربی قواعد کے مطابق) کچھ کم نہیں ہیں۔ جیسے سہل الحصول۔ عسیر الفہم، فارسی الاصل، عظیم الجثۃ، رائج الوقت، راقم الحروف، نصف النہار، بعد المشرقین، دارالامان، دارالعلوم، مقدمۃ الجیش، امیر البحر، راس المال، بیت اللہ، باب الاسلام، شمس العلماء، علامہ الدہر، فخر الدّولہ، فصیح الملک، وحید العصر، فقید المثال، نادر الوجود، صدر الصدور، قرآن السعدین، نجیب الطرفین، مجمع البحرین، غلام الثقلین، اجتماع ضدّین، اجتماع نقیضین، اشخاص کے عربی ناموں میں یہ ترکیب بہت عام ہے۔

اسد اللہ، عبدالرحمان، صلاح الدین، ابوالکلام، بدیع الزمان، نورالنساء، وغیرہ۔

مرکب اضافی کی طرح مرکب توصیفی بھی اردو میں اپنی مخصوص ترکیب نحوی رکھتا ہے یعنی صفت پہلے اور موصوف بعد میں آتا ہے۔ جب کہ عربی میں موصوف پہلے اور صفت بعد میں آتی ہے۔ خوبصورت باغ، ذہین لڑکا۔ کا ترجمہ عربی میں بالترتیب الحدیقۃ الجمیلۃ اور الطالب الذکی ہوگا۔ تاہم عربی کے تاثر سے بہت سی مثالیں اردو میں ایسی مل جاتی ہیں جن میں موصوف پہلے اور صفت بعد میں ہے۔ مگر ایسی تراکیب کے درمیان نحوی تعلق عربی کے اصول پر نہیں بلکہ فارسی کے اصول پر ہوتا ہے۔ جیسے صدقۂ جاریہ، قوت نامیہ، فطرت صحیحہ، عقل سلیم، اعمال صالحہ، شجر ممنوعہ، اخلاق حسنہ، وغیرہ۔

جار مجرور

عربی زبان میں حروف جارہ وہ حروف ہیں جو اپنے مابعد اسم کو زیر دیتے ہیں۔ اور یہ اسم مجرور کہلاتا ہے۔ جیسے اکتب بالقلم، ارکب علی الحصان، اصلی فی المسجد میں ب، علی، فی حروف جارہ ہیں۔ اور قلم، حصان، مسجد، بالترتیب اسمائے مجرورہ ہیں۔ عربی کے تاثر سے اردو میں اس قسم کے جار مجرور کی تراکیب بکثرت ملتی ہیں۔ مثلاً فی کے ساتھ فی الحال، فی الفور، فی الحقیقت، فی الجملہ، فی سبیل اللہ، فی نفسہ، فی زمانہ، فی البدیھہ، علی کے ساتھ علاحدہ، علی الاعلان، علی الاطلاق، علی حالہ، علی وجہ البصیرۃ، علی الخصوص، علی الصباح، علی الرغم وغیرہ۔

من کے ساتھ، من وجہ، من جملہ، من وعن، الظہر من الشمس وغیرہ۔

حتی کے ساتھ۔ حتی المقدور، حتی الوسع، حتی الامکان وغیرہ۔

ب کے ساتھ۔ بالکل، بالفعل، بالخصوص، بالعموم، بالقوہ۔ بجنسہ، بعینہ، بلفظہ، بالواسطہ، بالیقین، بحمد اللہ، بحول اللہ ان مرکبات کے علاوہ اردو میں ایک عربی ایک فارسی لفظ سے مل کر بننے والے مرکبات کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ اس قسم کے مرکبات کی تعداد بے شمار ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اعمال نامہ، ارباب سخن، اعتذار نامہ، جواہر نگار، نقش نگار، خلفشار، ترنم ریز، ترقی پذیر، ترقی یافتہ، تربیت گاہ، قرابت دار، کتب خانہ، کتب فروش، حرف شناس وغیرہ۔

حواشی وحوالہ جات (باب ششم)

(۱) عبدالحق: قواعد اردو، ص:۱۴

(۲) قواعد اردو۔ ص:۹، عبدالحق: قواعد اردو، ص:۹

باب ہفتم

مفردات یا ذخیرہ الفاظ

کیا زبان محض لفظوں کا انبار ہے؟ اس سوال کے مثبت جواب سے علمائے لسانیات شاید ہی اتفاق کریں۔ کیونکہ زبان محض لفظوں کا انبار نہیں، بلکہ اس کے کئی لسانیاتی پہلو ہیں۔ جن کی موجودگی سے ہی کوئی زبان، زبان کہلاتی ہے۔ ان میں سے حرف وصوت کے رشتے سے لے کر لفظوں کی ترکیب و بناوٹ (صرف) اور پھر ان کا جملوں کی شکل میں ڈھلنا (نحو) وہ چند بنیادی لسانیاتی مظاہر ہیں جن پر بحث گذشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی زبان کے الفاظ ہی وہ بنیادی مادہ ہوتے ہیں جن سے اس کی پرشکوہ عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ الفاظ ہی وہ بنیادی کڑیاں ہیں جن سے سلسلہ زبان کی تشکیل ہوتی ہے۔ اور ہر زبان اپنے انفرادی وجود سے ممتاز ہوتی ہے۔ تقابل لسانیات میں جہاں کئی دوسرے پہلوؤں سے دو یا زیادہ زبانوں کا تقابل کیا جاتا ہے وہاں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسے مشترک الفاظ کا جائزہ لیا جائے جو آپس میں ملتے جلتے ہوں۔ صرف وصوت میں عربی اردو کے گہرے لسانیاتی رشتے کے بعد لفظیات (مفردات) میں اردو سب سے زیادہ عربی سے متاثر نظر آتی ہے۔ اردو میں عربی کے ۵۰ سے ۶۰ فیصد الفاظ (تقریباً) مستعمل ہیں۔ یہ الفاظ بیشتر فارسی کے توسط سے اور بعض براہ راست اردو میں آئے۔

اردو میں ان عربی الفاظ کے حوالہ سے پروفیسر خلیل صدیقی لکھتے ہیں:

"عربی، فارسی دخیل الفاظ عقیدے اور جذباتیت کی وجہ سے اردو میں نہیں لیے گئے۔ بلکہ بہت سے عوامل کا نتیجہ ہیں۔ اردو کے ابتدائی دور میں برصغیر کی زبانیں ارتقاء کی جن منزلوں پر تھیں

وہ انہیں اردو کا لسانی سرچشمہ Source Language نہیں بنا سکتی تھیں۔ سنسکرت منظر عام پر نہیں تھی۔ فارسی کا بول بالا تھا۔ فارسی علمی وادبی اعتبار سے اس وقت برصغیر کی ممتاز ترین زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ مسلمانوں کی تہذیبی، ادبی اور علمی زبان بھی بن گئی۔ ظاہر ہے کہ تہذیبی، ادبی اور علمی اعتبار سے وہی لسانی سرچشمہ بھی بن سکتی تھی۔ اس لیے اردو نے اس سے اور اس کے توسط سے عربی سے حسب ضرورت خوشہ چینی کی۔ زبانیں اپنے لسانی سرچشموں کے طفیل ارتقاء کی منزلیں تیز رفتاری سے طے کرتی ہیں''۔ ﴿۱﴾

اردو میں عربی کے الفاظ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اردو کے سانچے میں ڈھل گئے اور اردو نے اپنے مزاج کے اعتبار سے ان میں اتنا تغیر پیدا کرلیا کہ وہ اپنی عربی اصل سے دور جا پڑے ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری لکھتے ہیں:

''اردو نے عربی و فارسی سے بہت کچھ لیا ہے۔ لیکن جہاں سے جو کچھ لیا ہے اسے اپنے سانچے میں ڈھالا ہے۔ اپنے آئین کا پابند بنایا ہے۔ اور اپنے اصول واسالیب کے نقش قدم پر چلنے پر مجبور کیا ہے۔ سنسکرت عربی، فارسی ترکی اور انگریزی سب سے اس نے کچھ نہ کچھ لیا ہے۔ لیکن حاکمیت اپنی رکھی ہے۔ سنسکرت کے راونٹر کو روان، عربی کے حِلیہ کو حُلیہ، فارسی کے شاہزادہ سے شاہزادی ترکی کی بیجم کو بیگم اور انگریزی ہاسپٹل کو اسپتال بنا دیا ہے''۔ ﴿۲﴾

اس قسم کے الفاظ کو مورّد کہا جا سکتا ہے۔ کہ اردو نے انہیں اپنے سانچے میں اس طرح ڈھال لیا کہ وہ اپنی اصل زبان میں اس نئی بدلی ہوئی شکل کے ساتھ استعمال نہیں ہو سکتے جیسے اردو کا ''لیکن'' عربی میں استعمال نہیں ہوسکتا۔ باوجودیکہ یہ عربی ''لکن'' سے ماخوذ ہے۔ یا اردو کی طمانیت جو عربی میں طمأنینة ہے اور تمیز جو کہ تمییز ہے، اور تمنا اور تماشا جو اصل میں تمنی اور تماشی ہے اور ورے جو اصل میں وراء ہے، اس پر قیاس کیے جا سکتے ہیں۔ یعنی اردو میں ان کی بدلی ہوئی شکلیں اب عربی میں استعمال نہیں ہو سکتیں لہٰذا اس قسم کے الفاظ اردو کی ملکیت تصور کیے جائیں گے۔

دوسری قسم ان الفاظ کی ہے جنہیں اردو نے جوں کا توں اپنالیا ہے۔ اور ان میں کوئی لفظی یا املائی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اور وہ الفاظ اپنی اصل زبان میں بھی اسی طرح استعمال ہوتے ہیں جس طرح اس نئی زبان میں ان کا استعمال ہے۔ اس قسم کے الفاظ کو دخیل کہا جاسکتا ہے۔ اردو میں عربی کے دخیل الفاظ کے معنوی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی دو قسمیں ہیں۔

نظائر Cognates

نظائر سے مراد وہ کلمات ہیں جو دونوں زبانوں میں ظاہری شکل اور معنوی اعتبار سے یکساں ہوں۔ اردو میں ایسے ہزاروں الفاظ ہیں جو شکل اور معنی میں عربی سے یکساں طور پر متشابہ ہیں۔ اگرچہ معنی کا یہ تشابہ کلیتاً نہیں ہے۔ تاہم معنوی دائرہ کے بڑے حصہ میں اشتراک ان کے نظائر Cognates ہونے کے لیے کافی ہے۔

عربی نظائر اردو زبان میں اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی مثالیں پیش کرنا عبث ہے۔ نظائر کے بارے میں تحریر کی جانے والی ان چند سطروں سے ہی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

دائرہ، اشتراک، عبث، معنی، زیادہ، شکل، متشابہ، وغیرہ

یہ کلمات عربی اردو میں یکساں معنوی مفہوم لیے ہوئے استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ قواعد کے اعتبار سے یہ واضح رہے کہ عربی کے مصادر اردو میں عربی کے برخلاف عام اسماء کی طرح اپنے ہندی لاحقوں ہونا، کرنا، وغیرہ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے عربی لفظ ''استفادہ'' کا معنی فائدہ اٹھانا ہے۔ مثلاً أستفيد بِعِلْمِكَ میں آپ کے علم سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اردو میں اس فعل کے مصدر کے ساتھ اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے لاحقہ ''کرنا'' لگانا ہوگا۔ میں آپ کے علم سے استفادہ کروں گا۔ استفادہ حاصل کرنے کی ترکیب درست نہیں ہے۔ بعض دفعہ یہ لاحقے وظیفی Functional کردار ادا کرتے ہیں۔ جیسے باب اِنفعال کی خاصیت ''لزوم'' ہے مگر اردو میں ''کرنا'' کا لاحقہ لگا کر اس باب کو متعدی بنالیا جاتا ہے۔ جیسے منقطع (کٹنے والا) سے منقطع کرنا بنالیا گیا۔

اب منقطع کرنے کا مفہوم کٹنے کے بجائے کاٹنا ہوگا۔

نظائر خادعہ Deceptive Cognates

نظائر خادعہ سے مراد وہ کلمات ہیں جو اپنی ظاہری شکل میں دونوں زبانوں میں ایک ہوں، لیکن معنی کے اعتبار سے واضح اختلاف رکھتے ہوں۔ یہ اختلاف اپنی کیفیت میں کم وبیش ہوسکتا ہے۔ کبھی یہ اختلاف جزوی نوعیت کا ہوتا ہے اور کبھی کلی نوعیت کا۔ کہ ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں بالکل ایک نئے معنی کے لیے آتا ہے۔ کبھی اس اختلاف کا تعلق جغرافیائی قیود سے اور کبھی اس زبان بولنے والی قوم کے کلچر کے حوالہ سے ہوتا ہے۔ اردو زبان میں عربی کے "نظائر خادعہ" کی بے شمار مثالیں ہیں۔ جن میں سے کچھ یہاں درج کی جاتی ہیں۔ ان میں بیشتر الفاظ کے دونوں زبانوں میں بنیادی معانی ایک ہی ہیں۔ لیکن استعمال کا فرق ہے۔ اس فرق کو دونوں کالموں میں معانی کی ترجیح کے اعتبار سے واضح کیا گیا ہے۔

مشترک لفظ	عربی معنی	اردو معنی
اتفاقیہ	معاہدہ Agreement	اچانک، غیر ارادی طور پر
اجازت	تعطیل، چھٹی	اذن، رضا
اجلاس	بٹھانا	اجتماع میٹنگ
اجنہ	جنین کی جمع	جن کی جمع
اخبار	خبریں، اطلاعات	News Paper
اخراجات	زمین کی پیداوار، غلہ	مصارف، لاگت
ادارت	ایڈیٹری، اخبار ورسالہ کی ترتیب ونگرانی کا کام	ادارہ، انتظام کرنا
ادارہ	انتظام Administration	انسٹیٹیوٹ، انجمن وغیرہ
اداریہ	انتظامی Administrative	مدیر کا خاص مضمون Editorial

استحصال	حاصل کرنا، حصول چاہنا	چھین لینا، غصب کرنا
استصواب	کسی قول، فعل یا رائے کو درست سمجھنا	ریفرنڈم، مشورہ لینا
استعفا	معافی چاہنا، تکلیف دور کرنے کی درخواست کرنا	نوکری ترک کرنے کی درخواست
استفتا	ریفرنڈم، فتوی چاہنا	فتوی چاہنا، شرعی حکم دریافت کرنا استعفٰی
استقالہ	معاہدہ توڑنے کی درخواست	
اشاعت	افواہ	طبع، ایڈیشن، پھیلانا
اشتہار	مشہور ہونا، شہرت پھیلنا	اعلان، اطلاع عام
اضلاع	ضلع کی جمع، پسلیاں، کنارے	صوبہ کے حصے، اضلاع
اعزاز	مضبوط کرنا، پختہ کرنا	عزت دینا، توقیر
اعزازی (مؤرد)	اردو مفہوم کے لیے ''شرفی'' یا ''تطوعی'' استعمال ہوتا ہے	تعریفی، ستائشی، بلاتنخواہ
اعزازیہ (مؤرد)	اردو معنی کے لیے ''المکافاة الشرفیة'' استعمال ہوتا ہے	نذرانہ
اعزّہ	عزیز کی جمع، غالب، سخت، پیارا، معزز	عزیز کی جمع، اقربا، رشتہ دار
اقبال	آنا، توجہ کرنا	خوش قسمتی، سعادت
اقدار	تقدیریں، اندازے	قدر کی جمع، اصول، معیار عربی میں اس مفہوم کے لیے ''قِیَمْ'' کا لفظ آتا ہے
التجا	سہارا لینا، پناہ لینا	عرض، گذارش
التوا	مڑنا	ملتوی ہونا، دوسرے پر اٹھا رکھنا

التزام	لازم کرنا	تہمت، بہتان
المیہ	(مؤرد الم سے)	دردانگریز الم سے دردناک واقعہ Tragedy اس معنی کے لیے عربی لفظ "ماساۃ" ہے
امیر	حاکم، گورنر، شہزادہ	مالدار، بڑا آدمی
انقلاب	بدل جانا، الٹ جانا	انقلاب Revolution عربی میں اس معنی کے لیے لفظ "ثورۃ" آتا ہے
انکسار	ٹوٹنا، شکستہ ہونا	عاجزی، فروتنی
اوزار	گناہ (وزر کی جمع) بوجھ	آلات، ہتھیار، مفرد مستعمل نہیں ہے
اہلیہ (مؤرد)	قومی، وطنی	بیوی
بحران (مؤرد)	اردو معنی کے لیے لفظ ازمۃ آتا ہے	شدت مرض، نازک حالت
دقّت	باریکی، عمدگی	مشکل، دشواری، مرکب صورت میں عربی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے دقت نظر وغیرہ
بخار	بھاپ	تپ، بھاپ، غصہ
تبصرہ	ہدایت، معلومات، نصیحت کرنا	Review تنقیح
تجویز	جائز کرنا	رائے، تدبیر
تخطیط	منصوبہ بندی کرنا	خط کھینچنا، لکیر کھینچنا
تدقیق	آڈٹ کرنا	باریک کرنا، باریک بینی
تردید	لوٹانا	رد کرنا، بطلان

تشریح	چیر پھاڑ، پوسٹ مارٹم	تفصیل، تفسیر
تعریف	واقف کرانا	ثنا، مدح، واقفیت
تقریب	نزدیک کرنا	اجتماع
تقریر	رپورٹ	بیان، خطاب
تماشا	باہم چہل قدمی کرنا، تماشی اصل ہے	ہنگامہ، نمائش
تناول	کسی چیز کا لینا	کھانا کھانا
تھیّہ (مؤرد)	تھیئۃ اصل ہے۔ تیاری	پختہ ارادہ، عزم
جارحیت	زخمی کرنا، اردو مفہوم کے لیے التعدّی یا الغزو وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں	ناجائز چڑھائی، دوسرے ملک پر بلاوجہ حملہ
جائزہ	انعام	پرکھ، امتحان
جلسہ	نشست، بیٹھنا	اجتماع
جلوس	بیٹھنا، جلس کا مصدر اردو مفہوم کے لیے مسیرۃ وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں	کروفر کا اظہار، جلوس
جنسیت	قومیت Nationality	ہم قسم ہونا، جنسی جذبہ
جواز	پاسپورٹ، (جدید استعمال) گزرنا، جائز ہونا	جائز ہونا
جہاز	مشین، آلہ Equipment	بڑی کشتی، ہوائی جہاز
حراست	حفاظت، نگہداشت	قید، نظر بندی
حوالہ	چیک، ڈرافٹ	سپردگی، تحویل
حلیہ (مؤرد)	زیور عربی میں ح کے کسر کے ساتھ	صورت، سراپا
خبیر	ماہر جدید استعمال جاننے والا، خدا کا نام	جاننے والا، خدا کا نام

خوض	داخل ہونا، خاض المعرکہ معرکہ میں کود پڑا	غور، تحقیق
خیرات	بھلائیاں، نیکی کے کام	بھیک صدقہ وغیرہ
دفتر	کاپی، رجسٹر، وغیرہ	آفس
دورہ	کورس، گشت، اردو مفہوم کے لیے جولۃ کا لفظ ہے	چکر، گشت
دولت	مملکت، سلطنت	مال، دولت، مشہور معنی
رقم	نمبر Number	مبلغ Amount
راتب	مشاہرہ، تنخواہ	روزانہ کی خوراک (مشہور معنی)
رخصت	لائسنس (جدید استعمال)	اجازت، روانگی، مہلت
رسائل	خطوط، پیغامات	مجلّات، رسالے
رسم	نشان، ڈرائنگ	طور طریقہ، رواج
رسمی	سرکاری Official	رواجی، معمولی
سانحہ	موقعہ Apportunity	المیہ Tragedy
سبق	مقابلہ کرنا، آگے بڑھنا	سبق Lession
سیر	چلنا، رفتار	تفریح، لطف
شائع	عام ہونے والا، پھیلنے والا	چھاپنا، اشتہار دینا
شربت	پینا، ایک مرتبہ پی لینا	مشروب
شرکت	عربی میں را کے کسرہ کے ساتھ "شَرِکَۃ" کمپنی	شامل ہونا، شراکت
شہوت	خواہش، شھوۃ الطعام کھانے کی خواہش	جماع کی خواہش

طیارہ	خاتون پائلٹ	ہوائی جہاز
عدالت	انصاف، عدل	کچہری، محکمہ عدل
عمدہ	سہارا، گاؤں کا چودھری، وڈیرا	نفیس، پسندیدہ
عملہ	ایک مرتبہ کا عمل، خیانت چوری	کسی محکمہ کے ملازمین، اسٹاف
عورت	غیر محفوظ، خلل، قابل شرم بات	خاتون، بیوی
عیاش	روٹی فروخت کرنے والا (جدید استعمال)	عیش پسند، بدچلن
عیش	زندگی، طرز زندگی	خوشی، آرام وآسائش
غربت	سفر، وطن سے دوری	محتاجی، فقیری، سفر
غرور	دھوکہ، فریب	گھمنڈ، تکبر
غریب	انوکھا، اجنبی	مفلس، نادار
غصہ	اچھو، پھندا	غضب، برہمی
فرصت	موقعہ Opportunity	فراغت، خالی وقت، اطمینان
فوج	گروہ	لشکر، سپاہ
قرینہ	بیوی، زوجہ	ڈھنگ، سلیقہ
قسمت	تقسیم، حصہ (مشہور معنی)	تقدیر
قلفی	اصل میں قفلی ہے۔ تالہ سے متعلق	سانچا جس میں دودھ جمایا جاتا ہے
قواعد	ضوابط، بنیادیں	اصول وضوابط، (مشہور معنی)
ماجرا	اصل میں ماجری ہے جو گذرا، یا جو جاری ہوا	حال، حادثہ، خیر خبر
محلّہ	عارضی جائے قیام Stopover	شہر یا قصبہ کا حصہ
محنت	آزمائش، تکلیف	مشقت، کوشش، کام کی اجرت

مدیر	ڈائریکٹر، شیخ الجامعہ، منتظم اعلیٰ	اخبار کا ایڈیٹر
مذاق	چکھنے کی جگہ، چکھنا	تمسخر، ہنسی، سلیقہ
مزار	زیارت گاہ، جگہ جسے دیکھا جائے	مرقد، قبر، TOMB
مشکور	جس کا شکریہ ادا کیا جائے	شکر گزار، پسندیدہ
مصروف	خرچ، مصروف الجیب، جیب خرچ	کسی کام میں لگا ہونا، مشغول
مضمون	محفوظ، گارنٹی شدہ	انشا، کسی خاص موضوع پر تحریر
معاش	زندہ رہنا۔ زندہ رہنے کا سامان	خوراک
معاشرہ	مل جل کر رہنا، اردو مفہوم کے لیے مجتمع کا لفظ آتا ہے	سماج، اجتماعی زندگی
مقابلہ	آمنا سامنا ہونا، انٹرویو (جدید استعمال)	آمنا سامنا، جنگ، اختلاف برابری
ملاحظہ	نوٹ، تبصرہ	مشاہدہ
مقرر	رپورٹر	تقریر کرنے والا
مکتب	آفس	ابتدائی مدرسہ
مکتبہ	لائبریری	کتب خانہ کتابوں کی دوکان
منشور	پھیلایا ہوا، کھلا ہوا	جماعتی اعلان، شاہی فرمان کا ترجمہ
نثار	بکھیرنا، اردو مفہوم کے لیے فدا وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں	نچھاور کرنا، قربان
واقف	کھڑا ہونے والا، رکنے والا	شناسا، آگاہ
وجہ	چہرۂ سبب	سبب
وجوہات (مؤرد)	چہرے، (وجوہ)	اسباب

وظیفہ	ملازمت	روزینہ، پنشن، نادار طالبعلم کو دی جانے والی رقم
ولولہ	ہلاکت کے لیے پکارنا وَلْوَلَت المراۃ، ای دعت بالویل	جوش وجذبہ
ہجوم	حملہ	بھیڑ، جمگھٹا

نوٹ: الفاظ کی تحقیق میں درج ذیل معاجم سے استفادہ کیا گیا:

(۱) المعجم الوسیط: (مجمع اللغة العربية، الجمهورية العربية المتحدة)

(۲) وارث سرہندی: علمی اردو لغت (علمی کتاب خانہ لاہور) فروری ۱۹۷۹ء

حواشی وحوالہ جات (باب ہفتم)

(۱) اعجاز راہی (مرتب): املا و رموز اوقاف کے مسائل، (مقتدرہ قومی زبان) ۱۹۸۵ء، ص: ۱۴۶

(۲) اعجاز راہی: املا و رموز اوقاف کے مسائل، ص: ۱۱۱

خلاصہ بحث

اُردو عربی کا تقابلی مطالعہ

بیسویں صدی کے نصف ثانی میں تقابلی لسانیات کا موضوع اہمیت اختیار کر گیا۔ جامعہ مشی گن امریکہ کے اساتذہ اس موضوع پر تحقیقات کا ہراول دستہ ہیں۔ چنانچہ اس جامعہ کے مرکز اطلاقی لسانیات (Centre for Applied Linguistics) میں ہسپانوی، اٹالین اور جرمن زبان کا انگریزی کے ساتھ تقابل کیا گیا۔ یہ تحریک جاری رہی۔ یہاں تک کہ ستر کی دہائی میں یورپ میں انگریزی اور کئی دوسری یورپی زبانوں کا باہم تقابل کیا گیا۔ ہمارے ہاں بھی تقابلی لسانیات کا موضوع کچھ نیا نہیں۔ ہماری قومی زبان اردو کا کئی مقامی زبانوں کے ساتھ تقابل کیا گیا۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کا کام، ''اردو سندھی کے لسانی روابط، اور ڈاکٹر سیّد محمد یوسف بخاری کا مقالہ کشمیری اور اردو زبان کا تقابلی مطالعہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ تاہم اس میدان میں تحقیق کے سفر کا آغاز ہے۔ اور بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ تقابلی لسانیات کی ضرورت زبانوں کے باہمی تداخل (Linguistic Interference) اور انتقال تجربہ (Transfer of Experience) کی بناء پر پیش آتی ہے۔ مشہور ماہر لسانیات لاڈو نے کئی لسانیاتی امتحانات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ اجنبی زبان کی سہولت اور صعوبت کا راز اصل زبان (مادری زبان) کے ساتھ تقابل میں مضمر ہے اور دو زبانوں کے درمیان روابط واشتراک جہاں سہولت کا باعث ہوتے ہیں، وہیں لسانیاتی مشکلات کا سبب بھی ہیں۔ کیونکہ ایک زبان کے استعمال میں بہت سی غلطیاں دوسری زبان کے توسط سے ہوتی ہیں۔ جس کا لسانیاتی مزاج یقیناً پہلی زبان سے مختلف ہوتا ہے اور اس کا عکس بھی درست ہے کہ ایک زبان کا علم دوسری زبان کے سیکھنے میں معاون ہوتا ہے۔ زبانوں

کے اسی باہمی اشتراک واختلاف کو واضح کرنے کے لیے تقابلی لسانیات کی ضرورت پڑی تا کہ باہمی تشابہ اور تخالف کی بناء پر سرزد ہونے والی غلطیوں سے بچا جاسکے اور سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ یہ لسانیاتی تقابل عموماً اصوات قواعد اور مفردات (ذخیرۂ الفاظ) میں کیا جاتا ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ اگر اردو عربی کے باہمی روابط کا جائزہ لیا جائے تو دونوں زبانیں خاندان الگ ہونے کے باوجود گہرے لسانیاتی رشتوں میں منسلک ہیں۔ عربی زبان صدیوں پرانی ترقی یافتہ زبان ہے۔ جس نے کئی تمدنوں کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دیا اور آج کے سائنسی عہد کے تقاضوں کو بھی خوبی کے ساتھ نبھا رہی ہے۔ اسی طرح اردو بھی عربی کے مقابلے میں نئی زبان ہونے کے باوجود ترقی کی منازل تیزی سے طے کرتی چلی جارہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علم و ادب کی دنیا میں اردو کا کشادہ دامن ذخیرۂ الفاظ، موضوعات کے تنوع اور اسالیب کی ندرت سے مالا مال ہے۔ مگر جدید سائنسی عہد کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اسے ایک طویل سفر درپیش ہے۔ اس سفر میں اگر کوئی زبان اس کی معاون ہوسکتی ہے تو وہ عربی ہے۔ اصطلاحات سازی میں اور نئے الفاظ کی اختراع میں عربی کی اشتقاقی خصوصیت اردو کے خوب کام آسکتی ہے۔ کیونکہ اردو کا خمیر اگر ہندی سے تیار ہوا ہے تو اس کی اٹھان اور پروان فارسی اور عربی کی مرہون منت ہے اور جس طرح ماضی میں عربی نے اردو کے گیسو سنوارے اسی طرح وہ مستقبل میں بھی اس کے جمال کی زیبائی کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گی۔

اردو عربی کا لسانیاتی تقابل کرتے ہوئے ہم نے سب سے پہلے حرف وصوت کے رشتہ کو لیا۔ عربی کے ۲۸ کے ۲۸ حروف اردو کے حروف تہجی میں مستعمل ہیں۔ اور ایک اردو دان عربی سیکھتے ہوئے کم از کم حروف کی حد تک کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ یہ امر جہاں ایک طرف سہولت کا باعث ہے، وہیں دشواری یہ ہے کہ اردو کا صوتی نظام عربی کے صوتی نظام سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ اردو میں عربی حروف اردو کے صوتی نظام کے تحت وہ کردار ادا نہیں کرتے جو وہ خود عربی میں عربی کے صوتی نظام کے تحت ادا کرتے ہیں۔ مثلاً: ث، ص، ذ، ظ، ط، ح اور ع کی آوازیں اردو میں نہیں ہیں چنانچہ ث اور ص۔ س سے۔ ذ، ض، ظ، کو ز سے۔ ط کو ت سے۔ ح کو ھ اور ع کو ء سے

ادا کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں ان متشابہ الصوت آوازوں کا الگ وجود عربی تلفظ میں صفت تفخیم Velarization و ترقیق کے باعث ہے۔ جب کہ اردو میں تلفظ کی یہ خصوصیت موجود نہیں ہے۔ اسی لیے عربی کی یہ آٹھ آوازیں اردو میں تحریری وجود باقی رکھنے کے باوجود اردو کے صوتیاتی نظام میں جگہ نہ پاسکیں۔ اردو میں ان حروف کے غیر صوتی کردار کی وجہ سے بعض ماہرین لسانیات اردو ہجا میں ان کا وجود باقی رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ جب کہ بعض دوسرے ماہرین ان آوازوں کو مستقل صوتیوں کا Phonemes کا مرتبہ عطا کرتے ہیں۔ آرا کی ان دو انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال یہ ہے کہ چونکہ اردو میں عربی کی یہ متشابہ الصوت حروف صوتیہ کی تمام شرائط پر پورا نہیں اترتے۔ اس لیے انہیں صوتیوں کا مقام دینے کے بجائے تحریریئے (Graphemes) قرار دیا جائے۔ کیونکہ ان تحریروں کے ساتھ اردو میں ہزاروں عربی الفاظ کا وجود وابستہ ہے۔ جو اس زبان کا برسوں پرانا تمدنی سرمایہ ہے۔ اور اس زبان کی اسلامی شناخت ہے۔ ان تحریریوں کو ہم اردو زبان میں باقی رکھ کر ان التباسات اور الجھنوں سے بچیں گے جو انہیں ختم کرنے کی صورت میں پیدا ہونی ناگزیر ہیں۔ اگر ثواب اور صواب کو سواب، ذم اور ضم کو زم لکھنا شروع کر دیا جائے تو زبان مختلف المعانی الفاظ یا ذو معنیین الفاظ کے وجود سے گراں بار ہو جائے گی۔ اور یہ زبان کا تمول نہیں بلکہ فقر ہوگا۔ لٰہذا عربی کے متشابہ الصوت صوتیے جو الفاظ کے درمیان حد فاصل قائم کرتے ہیں اردو تحریر کی بنیادی ضرورت پورا کرتے ہیں۔

قواعد

صرفی ونحوی ساخت کے اعتبار سے اردو ہندی نژاء زبان ہے۔ اس کے افعال (جو زبان کا بڑا حصہ ہیں) ضمائر اور اکثر حروف ہندی ہیں۔ لٰہذا اردو میں صرفی ونحوی لحاظ سے عربی اثرات کی جستجو عبث ہے۔ جملوں کی ساخت، الفاظ کی ترتیب یعنی نحوی تراکیب میں اردو کی دنیا عربی سے بالکل الگ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اردو زبان کے قواعد کی تدوین میں عربی کے قواعد کا تتبع کیا گیا ہے۔ اور انہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے۔ جو عربی کے لیے وضع ہوئیں۔

عربی اشتقاقی خصوصیات کی حامل زبان ہے، اس کے الفاظ کی تشکیل میں مادہ، مصادر اور مشتقات کا مرتب نظام ہے اور اس نظام کے قواعد اور اصول اردو میں نہیں ملیں گے تاہم عربی کی توانائی اور اس میدان میں اردو کے ساتھ اس کے تعلق پر یوں روشنی پڑتی ہے کہ عربی اسماء وصفات کی کثیر تعداد، مرکبات، فقرے، محاورے اور ضرب الامثال اردو میں دخیل ہوگئے۔ جنہوں نے اردو کی شان وشوکت میں اور حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔

عربی کے صرفی ونحوی قواعد کے تحت بنے ہوئے بے شمار الفاظ اتنی کثرت سے اردو میں مستعمل ہیں کہ ان کا احاطہ خاصا مشکل کام ہے۔ ثلاثی مجرد، ثلاثی مزید فیہ، رباعی مجرّد، اور رباعی مزید فیہ کے بے شمار مصادر اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ لاحقوں کے اضافہ سے انہی مصادر سے مرکب اردو مصادر بنا لیے جاتے ہیں۔ جیسے عذر کرنا، تعلیم دینا، تشریف لانا وغیرہ۔ اسمیہ مشتقات میں عربی کا اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، اسم مبالغہ، اسم آلہ اردو میں بکثرت مستعمل ہیں۔ تثنیہ عربی کی خصوصیات میں سے ہے۔ لیکن عربی کے تاثر سے اردو میں مثنی اسماء کی ایک طویل فہرست دستیاب ہے۔ جیسے والدین، زوجین، قطبین، قوسین، حرمین وغیرہ۔ جمع سالم اور جمع مکسر کے اوزان سے بھی اردو نے خوب استفادہ کیا ہے۔ جمع سالم کی مثالوں میں عالموں، جاہلوں، کافروں اور علاقات، خدمات، حرکات، عنایات وغیرہ ہیں اور جمع مکسر کی مثالیں اتنی کثرت سے ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔ تذکیر وتانیث میں بھی اردو نے اپنے مزاج کے مطابق تغیر کر کے عربی قواعد کو خوبی سے اپنایا ہے۔ ۃ مدورۃ کو وقف دے کر (ہ) ہا بنا دیا۔ جیسے روضۃ سے روضہ اور صفحۃ سے صفحہ۔ تنوین بھی عربی خصوصیات میں سے ہے۔ عربی کے تاثر سے دو زبر کی تنوین والے الفاظ اردو میں استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے، فوراً، تقریباً، غالباً، ضمناً، قیمتاً، ارادۃً وغیرہ۔

اردو میں ترکیب اضافی حرف اضافت کے ساتھ تشکیل پاتی ہے۔ جیسے حامد کا گھوڑا، احمد کی کتاب جب کہ عربی میں ایک خاص نحوی ترکیب اضافت کے معنی پیدا کرتی ہے۔ اردو کے برعکس عربی میں مضاف پہلے اور مضاف الیہ بعد میں آتا ہے۔ جیسے غرفۃ الاستاذ، استاد کا کمرہ۔ تاہم عربی کے تاثر سے بہت سی اضافی ترکیبیں اردو میں پائی جاتی ہیں، جیسے سہل

الحصول، عسیر الفہم، عظیم الجثہ وغیرہ۔

عربی زبان میں حروف جارہ وہ حروف ہیں جو اپنے مابعد اسم کو زیر دیتے ہیں اور یہ اسم مجرور کہلاتا ہے۔ جیسے اکتب بالقلم میں قلم سے لکھتا ہوں۔ اصلّی فی المسجد میں مسجد میں نماز پڑھتا ہوں۔ ان دونوں جملوں میں ب اور فی حروف جارہ ہیں، اور قلم اور مسجد بالترتیب اسمائے مجرورہ ہیں۔ عربی کے تاثر سے اس قسم کی تراکیب اردو میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً فی کے ساتھ فی زمانہ، فی سبیل اللہ، فی الفور وغیرہ۔ علی کے ساتھ علی الاعلان، علی الاطلاق، علی حالہ وغیرہ۔ من کے ساتھ، من وجہ، من جملہ اظہر من الشمس وغیرہ۔ حتی کے ساتھ حتی المقدور، حتی الامکان، حتی الوسع وغیرہ۔ ب کے ساتھ بالکل، بالفعل، بالفرض، بالخصوص وغیرہ۔

مفردات

حرف وصوت میں عربی اردو کے گہرے لسانیاتی رشتے کے بعد لفظیات میں اردو سب سے زیادہ عربی سے متاثر نظر آتی ہے۔ یہ الفاظ بیشتر فارسی کے توسط سے اور بعض براہ راست اردو میں آئے۔ اردو میں عربی کے الفاظ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اردو کے سانچے میں ڈھل گئے اور اردو نے اپنے مزاج کے اعتبار سے ان میں اتنا تغیر پیدا کر لیا کہ وہ اپنی عربی اصل سے دور جا پڑے۔ اس قسم کے الفاظ کو مؤرد کہا جا سکتا ہے کہ اردو نے انہیں اپنے سانچے میں اس طرح ڈھال لیا کہ وہ اپنی اصل زبان میں اس نئی بدلی ہوئی شکل کے ساتھ استعمال نہیں ہو سکتے جیسے ''لیکن'' عربی میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ باوجودیکہ یہ عربی لکن سے ماخوذ ہے۔

دوسری قسم ان الفاظ کی ہے جنہیں اردو نے جوں کا توں اپنایا ہے۔ اور ان میں کوئی لفظی یا املائی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اور وہ الفاظ اپنی اصل زبان میں اسی طرح استعمال ہوتے ہیں جس طرح اس نئی زبان میں ان کا استعمال ہے۔ اس قسم کے الفاظ کو دخیل کہا جا سکتا ہے۔ اردو میں عربی کے دخیل الفاظ کے معنوی پہلو سامنے رکھتے ہوئے ان کی دو قسمیں ہیں۔

نظائر

وہ کلمات ہیں جو دونوں زبانوں میں ظاہری شکل اور معنوی اعتبار سے یکساں ہوں۔ معنی کا یہ تشابہ کلیتا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ معنی کے بڑے حصہ کا اشتراک ان کے نظائر ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس قسم کے الفاظ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ جیسے کلمات، الفاظ، معانی، اشتراک، کلیتًا وغیرہ۔

نظائر خادعہ

وہ کلمات ہیں جو اپنی ظاہری شکل میں دونوں زبانوں میں ایک ہوں لیکن معنی کے اعتبار سے واضح اختلاف رکھتے ہوں۔ یہ اختلاف اپنی کیفیت میں کم و بیش ہو سکتا ہے۔ بیشتر الفاظ کے دونوں زبانوں میں بنیادی معانی ایک ہی ہوتے ہیں۔ لیکن استعمال کا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اتفاقیہ اردو میں اچانک، غیر ارادی طور پر کے معنی کے لیے آتا ہے اور عربی میں معاہدہ کے معنی میں آتا ہے یا مدیر اردو میں ایڈیٹر کے معنی میں اور عربی میں ڈائریکٹر یا منتظم کے معنی میں آتا ہے۔ اس قسم کے الفاظ کی ایک طویل فہرست اس مقالہ کے آخری باب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

عربی اردو کے اس تقابلی مطالعہ میں دونوں زبانوں کے گہرے لسانیاتی روابط کو واضح کیا گیا ہے۔ اور ان نشان ہائے راہ کو نکھارا گیا ہے۔ جو آنے والے محققین کی تحقیق کے موضوعات ہو سکتے ہیں۔ عربی اردو کا لسانیاتی رشتہ جتنا گہرا ہوگا اتنا ہی اردو کا دامن جدید لسانی عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے وسیع سے وسیع تر ہوگا۔ اردو پر عربی کی چھاپ ہمارے تہذیبی و تمدنی تشخص کو مزید نمایاں کرے گی۔ نیز ماضی کے علمی ورثہ سے ہمارے ٹوٹے ہوئے رشتے کو بحال کرے گی۔ کیونکہ کسی قوم کے لیے اس کے شاندار ماضی سے تعلق بحال کیے بغیر روشن مستقبل کی تعمیر مشکل ہی نہیں امر محال ہے۔

عربی عبارات کا ترجمہ

۱۔

"ہم نے اپنی کتاب العرب قبل الاسلام، میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ سلطنت حمورابی عربی ہے۔ اور وہ قدیم ترین عربی سلطنت ہے"۔

۲۔

"جان لینا چاہیے کہ ہمارے علم کے مطابق اسلام سے قبل جنوبی جزیرہ عرب کے باشندے جو زبان بولتے تھے وہ صرف نقوش تھی۔ اور یہ زبان مختلف لہجوں پر مشتمل تھی، یعنی، معینیہ، سبئیہ، قتبانیہ، اوسانیہ اور حضرمیّہ وغیرہ"۔

۳۔

"اور دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں۔ اور نرم تالو کے اوپر اٹھنے سے ناک کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور دونوں صوتی تانتوں میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے واؤ اقصی لسانی مجہور ٹھوس آواز ہے۔ (یا نصف علّت ہے) جیسے ولد کی واؤ اور اسے شفوی کہنا بھی ممکن ہے۔ کیونکہ اس کی ادائیگی میں دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں"۔

۴۔

"اور اس طرح عربی ہمزہ ٹھوس آواز Consonant ہے اور اس کا علّتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کی ادائیگی میں حلق میں ہوا کو مکمل رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے"۔

۵۔

"بعض محققین کو یہ وہم ہوا۔ پس انہوں نے سمجھا کہ واؤ اور یا عربی زبان میں (حوض اور بیت جیسی مثالوں میں) ایک مرکب حرکت Depthong کے دو جز ہیں۔ جب کہ یہ غلط گمان

ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ حرکت مرکبہ Depthong ایک یونٹ ہوتی ہے۔ جب کہ حوض اور بیت میں ایک یونٹ نہیں بلکہ یہاں دو مستقل یونٹ ہیں۔ اور وہ ہیں۔

فتحہ + و حوض میں

اور فتحہ + ی بیت میں

۶۔

''اور یہ واضح ہے کہ عربی زبان میں اصلی جیم قاہرہ کا جیم ہی ہے۔ پھر یہ جیم ترقی کر کے قریشی جیم ہو گیا۔

۷۔

''اور ان کلمات میں زیادہ راجح یہ ہے کہ ان میں اصلی نطق پایا جاتا ہے۔ یعنی مصری جیم یا عام سامی جیم۔ لیکن نحویوں نے اصلی نطق کی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اسے کاف لکھا۔

۸۔

''اور تفخیم کا مفہوم زبان کے پچھلے حصے کو نرم تالو کی طرف اوپر اٹھانا ہے۔ اور پھر اسے حلق کی پسیں دیوار کی طرف پیچھے لانا ہے''۔

۹۔

''رہا لام تو ترقیق و تفخیم میں سوائے چند کلمات کے اس کے تقابلی جوڑے دستیاب نہیں''۔

۱۰۔ ''اور جان لو کہ ضاد اہل عرب کے لیے خاص ہے۔ اور کلام عجم میں کم ہی پایا جاتا ہے''۔

۱۱۔ ''وہ ضاد کو دونوں جبڑوں میں سے جس سے چاہتے ادا کرتے''۔

۱۲۔

''جان لو کہ حرکات (اعراب) حروف مدّ ولین کے حصے ہیں۔ اور یہ الف، یا اور واؤ ہیں۔ پس جس طرح یہ حروف تین ہیں۔ اسی طرح حرکات بھی تین ہیں۔ اور وہ فتحہ (زبر) کسرہ (زیر) اور ضمہ (پیش) ہیں۔ چنانچہ فتحہ الف کا ایک حصہ (بعض) ہے۔ اور کسرہ یا کا ایک حصہ اور ضمہ واؤ

کا ایک حصہ ہے۔ (اسی لیے) قدیم نحوی فتحہ کو الف صغیرہ اور کسرہ کو یائے صغیرہ اور ضمہ کو واؤ صغیرہ سے تعبیر کرتے تھے۔ اور اس بارے میں وہ راہ راست پر تھے"۔

۱۳۔ "واؤ" حوض جیسے کلمات میں اور "یا" بیت جیسے کلمات میں ٹھوس آوازوں (حروف صحیحہ) کے موقع پر واقع ہوئی ہے۔ اور اپنا کردار پوری طرح ادا کر رہی ہے۔ اس دعویٰ کی تائید انہی کلمات کی دوسری مشتق شکلوں سے بھی ہوتی ہے۔ پس حوض کی جمع احواض اور بیت کی جمع ابیات میں ہم احواض کی واو اور ابیات کی یا کو حرکت (زبر) کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اور یہ مقام صرف ٹھوس آوازوں (حروف صحیحہ) کا ہی ہے"۔

۱۴۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ واؤ اور یا عربی زبان میں درج ذیل صوتی سیاقوں میں ٹھوس آوازوں (حروف صحیحہ) کا کردار ادا کرتی ہے۔

۱۔ جب واؤ اور یا سے قبل کوئی حرکت (زبر، زیر، پیش) ہو۔

۲۔ جب یہ دونوں ساکن ہوں اور ان سے قبل فتحہ ہو۔

لیکن یہ ہمیں ہرگز نہ بھولنا چاہیے کہ یہ ان دونوں صورتوں میں ادائیگی میں حرکات (علّتوں) کے مشابہ ہیں۔ جب کہ دوسرے پہلو سے ان کا کردار ٹھوس آوازوں (حروف صحیحہ) کا بھی ہے۔ اسی لیے محققین ان دونوں حالتوں میں انہیں "انصاف الحرکات" (Semi Vowels) کے نام سے پکارتے ہیں"۔

اُردو کتابیات

(۱) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: ادب ولسانیات (اردو اکیڈمی سندھ) ۱۹۷۰

(۲) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: جامع القواعد (صرف)، (لاہور، مرکزی اردو بورڈ) ۱۹۷۱

(۳) احمد حسن زیات: تاریخ ادب عربی (ترجمہ طاہر سورتی) (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) ۱۹۶۱

(۴) آزاد، محمد حسین، مولوی، شمس العلماء: آب حیات، (لاہور، اسلامیہ اسٹیم پریس) ۱۹۱۳

(۵) آزاد، محمد حسین، مولوی، شمس العلماء: نیرنگ خیال، (لاہور، عالمگیر پریس) ۱۹۴۰

(۶) اصلاحی، شرف الدین، ڈاکٹر: اردو سندھی کے لسانی روابط (نیشنل بک فاؤنڈیشن) ۱۹۷۶

(۷) اعجاز راہی، مرتب: املا اور موز اوقاف کے مسائل، (مقتدرہ قومی زبان)، ۱۹۸۵

(۸) انشاء اللہ خان انشاء: دریائے لطافت، (انجمن ترقی اردو) ۱۹۳۵

(۹) چرنجی لال منشی: ہندوستان فلولوجی، (مطبع محب ہند دھلوی) ۱۸۸۶

(۱۰) حبیب الحق ندوی، ڈاکٹر: پاکستان میں فروغ عربی، (شعبہ عربی، جامعہ کراچی) ۱۹۷۵

(۱۱) رشید حسن خان: اردو املا (دھلی نیشنل اکیڈمی) ۱۹۷۴

(۱۲) زور، سیّد محی الدین قادری، ڈاکٹر: ہندوستانی لسانیات، (مکتبہ معین الادب، لاہور) ۱۹۶۱

(۱۳) سیّد سلیمان ندوی: عرب وہند کے تعلقات، (الہ آباد)) ۱۹۳۰

(۱۴) سیّد سلیمان ندوی: نقوش سلیمانی، (اردو اکیڈمی سندھ)، ۱۹۶۷

(۱۵) شوکت سبزواری، ڈاکٹر: اردو لسانیات (مکتبہ تخلیق ادب) کراچی، ۱۹۶۶

(۱۶) شوکت سبزواری، ڈاکٹر: لسانی مسائل، (کراچی، مکتبہ اسلوب) ۱۹۶۲

(۱۷) عبدالحق، بابائے اردو: قواعد اردو، (لاہور اکیڈمی)

(۱۸) غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر: فارسی پر اردو کا اثر (حیدر آباد، سندھ) ۱۹۶۰

(۱۹) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اردو املا و رسم الخط، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز)، ۱۹۷۷

(۲۰) ماہنامہ قومی زبان، (کراچی) جون ۱۹۶۵

(۲۱) محمود شیرانی، حافظ: پنجاب میں اردو (انجمن ترقی اردو، لاہور)

(۲۲) گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر: اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، (دھلی، آزاد کتاب گھر) ۱۹۶۴

(۲۳) گیان چند، ڈاکٹر: لسانی مطالعے (دہلی، نیشنل بک ٹرسٹ) ۱۹۷۳

(۲۴) محمد حسین آزاد: سخن دان فارس، (لاہور) ۱۹۹۸

(۲۵) نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو (لاہور، اردو مرکز)

(۲۶) وارث سرہندی: علمی اردو لغت (علمی کتاب خانہ، لاہور) ۱۹۷۹

عربی کتابیات

(۱) القرآن الکریم

(۲) ابن جنّی، ابو الفتح عثمان: الخصائص (دارالکتب القاهرة) تحقیق محمد علی النجّار ۱۹۵۲

(۳) ابن جنّی، ابو الفتح عثمان: سرضاعة العرب، ج۔۱ (مصر، مصطفی البابی الحلبی) ۱۹۳۷

(۴) ابن الندیم، محمد بن اسحاق، "الفهرست" (مکتبة التجاریة الکبریٰ، القاهرة)

(۵) ابو الفرج الاصبهانی، علی بن الحسین: الاغانی (مصر، دارالشعب)

(۶) احمد امین: فجر الاسلام، (قاهرة، مکتبة النهضة المصریة)، ۱۹۵۵

(۷) احمد مختار عمر، ڈاکٹر: دارسة الصوت اللغوی، (القاهرة، عالم الکتب) ۱۹۷۶

(۸) الاصمعی وللسجستانی ولابن السکیت: ثلاثه کتب فی الاضداد، (دارالمشرق، لبنان) ۱۹۱۲

(۹) اغناطیوس غویدی: المختصر فی علم اللغة العربیة الجنوبیة القدیمة۔ (القاهرة، الجامعة المصریة) ۱۹۳۰

(۱۰) تمام حسان، ڈاکٹر: اللغة بين المعيارية والوصفية (مصر، مكتبة الانجلو ۱۹۵۸

(۱۱) الجاحظ، ابو عثمان عمرو بن بحر: البيان والتبيين (مصر، مكتبة الخانجى) ۱۹۷۵

(۱۲) جرجی زیدان: تاریخ آداب اللغة العربية، (دارالهلال مصر)

(۱۳) جمیل احمد، ڈاکٹر: حرکه التاليف باللغة العربية فى الاقليم الشمالى الهندى (وزارة الارشاد والتربية، دمشق) ۱۹۷۲

(۱۴) الحریری، ابو محمد القاسم بن على بن محمد بن عثمان: مقامات حريرى (مكتبه التجارية الكبرى)

(۱۵) حنفی بن عیسی: محاضرات فى علم النفس اللغوى (الجزائر، الشركة الوطنية للنشر و التوزيع)

(۱۶) الزّو زنی، ابو عبدالله الحسين بن احمد: شرح المعلقات السبع (مصر، دارالكتب العربية) ۱۹۵۰

(۱۷) سیبویه، ابو بشر عمر و بن عثمان: الكتاب (المطبعة الاميرية) بولاق

(۱۸) السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمان بن ابی بکر: المزهر فى علوم اللغة وانوا عها (مطبعة السعادة، مصر) ۱۳۲۵ھ

(۱۹) سیّد سلیمان ندوی: الدّليل على المولد و النّخيل (ندوة العلماء لکھنو) ۱۹۱۲ (اردو)

(۲۰) الصینی، محمود اسماعیل، ڈاکٹر، التّقابل اللّغوی وتحلیل الأخطاء (سعودی عرب، جامعة الملك سعود)

(۲۱) کمال بشر، ڈاکٹر: علم اللغة العام (الاصوات)، (مصر، دارالمعارف) ۱۹۷۵

(۲۲) المعجم الوسیط: (مجمع اللغة العربیة المتحدة)

(۲۳) المیدانی، ابو الفضل احمد بن محمد بن احمد ابراھیم، نیشا پوری: مجمع الامثال (مطبعة السنة المحمدیة)

(۲۴) نایف خرما: اضواء علی الدراسات اللغویة المعاصرة، (الکویت، مطابع الیقظة) ۱۹۷۸

(۲۵) ابن فارس، ابو الحسین احمد: معجم مقاییس اللغة العربیة (مرکز النشر مکتب الاعلام اسلامی) ١٤٠٤ھ، طهران

انگریزی کتابیات

(1) CHATTERJI, SUNITI KUMAR: THE ORIGIN AND DELOPMENT OF THE BENGALI LAHGUAGE, (CALCUTTA UNIVERSITY PRESS) CALCUTTA.

(2) DANIAL JONES: THE PHONEME, (GREAT BRITAIN) 1966.

(3) ENCYCLOPEDIA OF BIRTANICA VOL,I 1960.

(4) GRIERSON, SIR GEORGE ABRAHAM: LINGUISTIC SURVEY OF INDIA. (CULCUTTA).

(5) H. A GLEASON: AN INTRODUCTION TO DESCRIPTIVE LINGUISTICS, (HENRY HOLT AND COMPANY) NEW YORK; 1960.

(6) KENNETH KAZNER: THE LANGUAGE OF THE WORLD, (ROUT LEDGE AND KEGAN PAUL LONDON); 1975.

(7) LADO, ROBERT: LANGUAGE TEACNING, (TATA, DELHI); 1976.

(8) NOAM CHOMSKY: SYNTACTIC STRUCTURES (THE MAGUE MOUNTON) 1957.

(9) WINFRID P. LEHMANN: DESCRIPTIVE LINGUISTICS (RANDOM HOUSE NEW YORK)1975 CHAPTERS 12, 13, 14, 15.